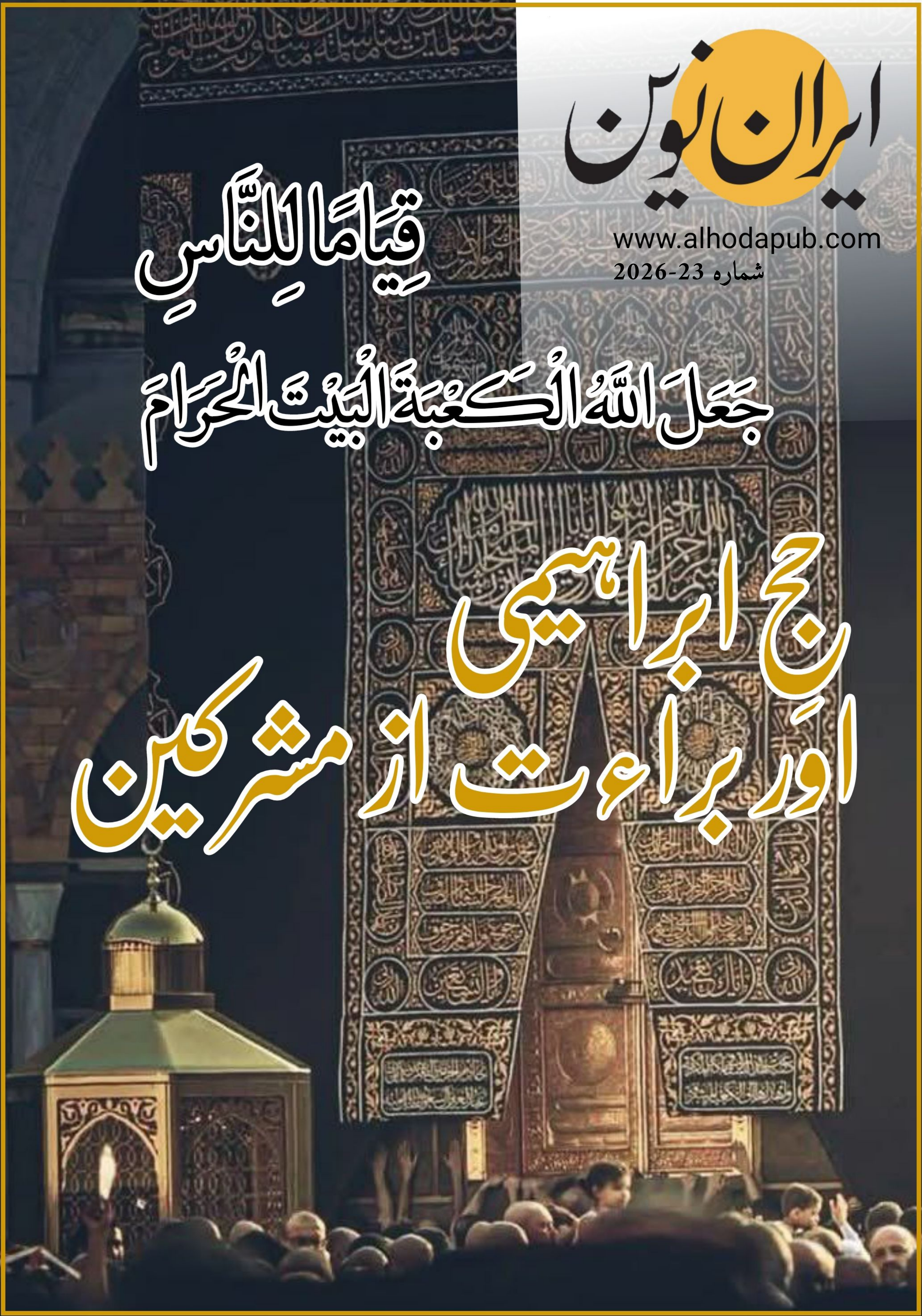

ایرانِ نوین

www.alhodapub.com
شماره 23-2026

جَعَلَ اللّٰهُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ
قِیَامًا لِلنَّاسِ

حجِ ابراہیمی
اور براءت از مشرکین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایران نوین

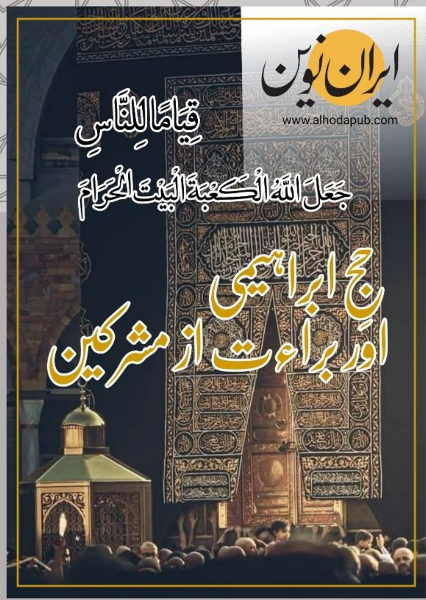

شماره 23 - 2026

اداریہ/مزاحمت کی روحانیت سے اسلامی تہذیب کے افق تک | ۴
ڈاکٹر محمود واعظي

رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ سید مجتبیٰ حسینی خامنہ ای کا پیغام حج | ۶

حج میں امتِ عظیم مسلمہ کے فرائض رہبرِ شہید و مجاہدِ انقلابِ اسلامی
حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای (رضوان اللہ تعالیٰ علیہ) کی نظر میں| ۱۱

حج میں مشرکین سے بیزار؛ قرآنی اسلوب، نبوی رحمت، اور اسلامی وحدت کی روشنی میں| ۱۵
امیرالحاج حجۃ الاسلام والمسلمین سید عبدالفتاح نواب

نغماتی ویڈیوز | ۱۸
حضرت ابراہیمؑ بت شکن-امتِ مسلمہ کا اتحاد-شیاطین کو کنکریاں مارنا

امت اسلامی کی وحدت آفرین حرکت رہبر شہید کے کلام میں موسم حج میں | ۲۱
عطیہ کشتکاران

مشرکین سے برائت (بیزاری) اور عصر حاضر کے علاقائی تنازعے کے زیرِ سایہ سیاسی شعور کی بازسازی | ۲۳
نورا فرحات - الجزائری محقق

قرآن کریم کی سورہ توبہ (آیت ۱) کا آسان اردو ترجمہ | ۲۹
ڈاکٹر انعام عیسیٰ

وحدت و اتحاد امت اسلامی، شہید رہبرِ امت کا پائیدار پیغام | ۳۰
ڈاکٹر ہارون عزیز (جنوبی افریقہ)

حقائق کو موثر انداز میں‌بیان کرنے کا جہاد - حج بطور اطاعتِ تحول آفرین برائے بیداری امت | ۳۲
ڈاکٹر محمد عظمی عبدالحمید

مشرکین سے بیزاری، قول سے فعل تک: حج، غدیر اور مقاومت کے توشے میں | ۳۸
ڈاکٹر محمد حسن شجاعی فرد

ذمہ دار مدیر:
مہدی فیاضی

مدیرِ اعلیٰ:
ڈاکٹر محمود واعظی

ایگزیکٹو مدیر: مریم حمزہ لو
فنی مدیر: محمدجواد اکبری

فون:
۰۰۹۸۲۱۸۸۹۳۴۳۰۲
۰۰۹۸۲۱۸۸۹۳۴۳۰۳
فیکس:
۰۰۹۸۲۱۸۸۹۰۲۷۲۵

web site: www.alhodapub.com
Email: alhodapub@gmail.com

حوزہ نمایندگی ولی فقیہ در امور حج و زیارت

اس سال مشرکوں سے اظہار برائت کی اہمیت دگنی ہو جاتی ہے اور امریکا اور اسرائیل سے برائت کا میدان، حج کے موسم میں مشرکین سے برائت کے عمل سے آگے بڑھ جاتا ہے اور ایران اور دنیا کے مختلف علاقوں تک اور ان مبارک ایام کے بعد بھی امریکا مردہ باد اور اسرائیل مردہ باد، امت مسلمہ اور دنیا بھر کے مظلوموں، خاص طور پر جوانوں کا رائج نعرہ بن جائے گا۔

موسمِ حج 2026 کے موقع پر رہبرِ معظمِ انقلابِ اسلامی حضرت آیت الله سید مجتبیٰ حسینی خامنہ ای کے پیغام سے اقتباس

اداریہ

مزاحمت کی روحانیت سے اسلامی تہذیب کے افق تک

ڈاکٹر محمود واعظي

اسلامی جمہوریہ ایران کے رہبر معظم کا امسال کا پیغامِ حج محض حجاجِ کرام سے خطاب نہیں، بلکہ اسلامی دنیا کے لیے مشترکہ شناخت اور متحدہ مستقبل کے ایک نئے افق کی تشکیل کی کوشش ہے۔ اس تناظر میں آج کا مسلمان صرف بیت اللہ کا زائر نہیں، بلکہ تاریخ اور تہذیب کی تشکیل میں فعال، باثر اور ذمہ دار کردار کا حامل فرد ہے۔

اس سال کے پیغام کی سب سے نمایاں خصوصیت حج کو ایک انفرادی عبادت سے نکال کر ایک سماجی اور تہذیبی منصوبے کے طور پر پیش کرنا ہے۔ اس تعبیر میں احرام محض ایک لباس نہیں بلکہ فرد اور معاشرے کی وابستگی، خوف اور استکباری نظامِ عالم سے آزادی کی علامت بن جاتا ہے۔

پیغام میں حج کی مختلف علامات کو نئی معنویت عطا کی گئی ہے۔ طواف صرف کعبہ کے گرد گردش نہیں بلکہ محورِ حق کے گرد مسلسل حرکت کی علامت ہے۔ سعی، اجتماعی ذمہ داری کے میدان میں مسلسل جدوجہد کا استعارہ بن جاتی ہے، جبکہ رمیِ جمرات ایک رسمی عبادت سے بلند ہو کر تاریخ کے شیطانوں کے خلاف دائمی مزاحمت کی علامت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ اس بیانیے میں امریکہ اور صہیونی حکومت کو انہی استکباری قوتوں کی نمایاں مثال قرار دیا گیا ہے۔

شہید صدرِ انقلاب اسلامی کے سانحۂ شہادت کے بعد رہبر معظم کا یہ پہلا پیغامِ حج دینی اور تاریخی علامات سے بھرپور ہے۔ ہجرت، بعثت، میقات، احرام، طواف، رمی، قربانی، حبلِ متین، وعدۂ صادق، نورِ ولایت، نئی اسلامی تہذیب اور ظہورِ امام مہدیؑ جیسے تصورات اس پیغام میں ایک ایسے تہذیبی اور مستقبل نگر افق کی تشکیل کرتے ہیں جو امید، بیداری اور تاریخی تبدیلی کے احساس سے معمور ہے۔

اس فکری فضا میں مخاطب اپنے آپ کو ایک عظیم تاریخی تبدیلی کے مرکز میں محسوس کرتا ہے۔ یہاں علاقائی جنگیں محض جغرافیائی یا سیاسی تنازعات نہیں بلکہ وعدۂ الٰہی کی تکمیل کے مظاہر کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔ سماجیاتِ دین کے نقطۂ نظر سے یہ تعبیرِ نو دراصل ایمان کو اجتماعی قوت میں تبدیل کرنے اور امتِ مسلمہ کے لیے مزاحمت پر مبنی مشترکہ حافظۂ تاریخی تشکیل دینے کی کوشش ہے۔ اس تصور میں دین صرف فرد کا باطنی تجربہ نہیں بلکہ اجتماعی نظم، سماجی طاقت اور تہذیبی بیداری پیدا کرنے کا سرچشمہ ہے۔

اسی بنا پر پیغام میں «اللہ اکبر» کی تعبیر محض ایک مذہبی نعرے یا رسمی ذکر تک محدود نہیں رہتی بلکہ اسے ایک مؤثر سماجی اور تہذیبی قوت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک اہم علامتی اور سیاسی اقدام ہے جو تقدس کو براہِ راست مزاحمت، اقتدار اور اجتماعی جدوجہد کے میدان سے جوڑتا ہے۔

«اللہ اکبر» کی مسلسل تکرار صرف ادبی یا جذباتی اسلوب نہیں بلکہ نفسیاتی بیداری اور اجتماعی شناخت کی تشکیل کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اسلامی انقلاب ایران کی تاریخی یادداشت میں یہ نعرہ ہمیشہ خوف، جمود اور بے عملی سے نجات کی علامت رہا ہے؛ وہی صدا جو انقلاب کے ایام میں گھروں کی چھتوں سے بلند ہوئی، دفاعِ مقدس کے محاذوں پر گونجی اور آج امتِ مسلمہ کی استقامت اور پائیداری کی علامت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ پیغام کی کوشش یہ ہے کہ «اللہ اکبر» کو محض ایک مذہبی شعار سے بلند کرکے ایک تہذیبی توانائی اور محرک قوت کے طور پر متعارف کرایا جائے۔

ادبی اعتبار سے بھی یہ پیغام ایک خطیبانہ، حماسی اور روحانی ساخت کا حامل ہے۔ اس میں موجود تکرار، دعائیہ انداز، قرآنی اشارات اور تاریخی حوالہ جات قاری کو محض فکری سطح پر متاثر نہیں کرتے بلکہ اس کے جذبات اور احساسات کو بھی متحرک کرتے ہیں۔ یہی اسلوب فرد کو ایک خاموش ناظر سے نکال کر ایک بیدار اور متحرک امت کے رکن میں تبدیل کر دیتا ہے۔

تاریخ سازی کا تصور اس پیغام کا ایک اور بنیادی پہلو ہے۔ یہاں اسلامی جمہوریہ ایران کی تاریخ کو سیاسی واقعات کے مجموعے کے طور پر نہیں بلکہ ایک مسلسل مقدس سفر کے طور پر پیش کیا گیا ہے؛ انقلابِ اسلامی سے لے کر دفاعِ مقدس تک، محورِ مقاومت کی تشکیل سے لے کر حالیہ علاقائی معرکوں تک، تمام واقعات کو حق و باطل کی دائمی کشمکش کے تناظر میں سمجھا گیا ہے۔

اس بیانیے میں جنگیں صرف طاقت کے توازن یا علاقائی مفادات کی کشمکش نہیں بلکہ وعدۂ الٰہی کی تکمیل اور انبیائے کرامؑ کی تاریخی جدوجہد کے تسلسل کا حصہ قرار پاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی واقعات کو بھی ایک وسیع تر معنوی اور تاریخی افق میں دیکھا جاتا ہے۔ اس فکری نظام کا ایک مرکزی ستون «شہادت» کا تصور ہے۔ سابقہ قائد کی شہادت اور اس کے بعد ایرانی قوم کے ازسرِنو احیاء کا ذکر شیعہ سیاسی ثقافت کی ایک بنیادی خصوصیت کو نمایاں کرتا ہے؛ یعنی فقدان کو حیات بخش اجتماعی قوت میں تبدیل کرنا۔ اس ثقافت میں شہادت اختتام نہیں بلکہ ایک نئی اجتماعی شناخت کا نقطۂ آغاز ہے۔ سوگ اور یاد، معاشرے کے لیے اتحاد، استقامت اور نئی توانائی کا سرچشمہ بن جاتے ہیں اور بحران مزاحمت کی تجدیدِ مشروعیت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ پیغام امتِ مسلمہ کے تصور کو بھی ازسرِنو متعینکرتا ہے۔ ایسے دور میں جب قومی، نسلی اور معاشی شناختیں اسلامی دنیا پر غالب آ چکی ہیں، یہ متن ایک بار پھر سرحدوں سے ماورا امتِ مسلمہ کے تصور کو زندہ کرتا ہے۔ اس تناظر میں ایران کو صرف ایک قومی ریاست کے طور پر نہیں بلکہ اسلامی بیداری اور مزاحمت کے جغرافیائی و فکری مرکز کے طور پر پیش کیا گیا ہے؛ ایک ایسا مرکز جس کی شعاعیں لبنان، فلسطین، یمن، عراق، افغانستان اور افریقہ تک پھیلتی ہیں۔ یہ تصور ایک ایسی «روحانیتِ مزاحمت» کو جنم دیتا ہے جو سیاسی سرحدوں سے بلند ہو کر مشترکہ عقیدے، مشترکہ درد اور مشترکہ مقصد پر استوار ہے۔ اس بیانیے میں امت صرف عقیدے کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک اور تاریخی حقیقت ہے جو اپنے مشترکہ مستقبل کی تشکیل کی صلاحیت رکھتی ہے۔

پیغام کا ایک اور نمایاں پہلو اس کا تہذیبی مستقبل نگاری پر مبنی وژن ہے۔

یہ صرف ماضی کی یادوں یا مزاحمت کی داستانوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایک ایسے مستقبل کی تصویر پیش کرتا ہے جس میں امریکی غلبے کا زوال، صہیونی ریاست کی کمزوری اور نئی اسلامی تہذیب کا ظہور نمایاں نظر آتا ہے۔ بحران اور جنگ کے دور میں ایسی امید افزا تعبیرات غیرمعمولی اہمیت رکھتی ہیں۔ جو معاشرے مسلسل دباؤ اور عدمِ تحفظ کا سامنا کرتے ہیں، انہیں ایسے بیانیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو خوف کو امید میں، اضطراب کو اعتماد میں اور مشکلات کو کامیابی کے راستے میں تبدیل کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس پیغام میں مستقبل کو ناامیدی کے بجائے فتح، بیداری اور تاریخی پیش رفت کے افق سے دیکھا گیا ہے۔ ثقافتی اعتبار سے شاید اس پیغام کا سب سے اہم پہلو عبادت اور مزاحمت کے باہمی امتزاج میں پوشیدہ ہے۔ اس روایت میں حج صرف ایک روحانی تجربہ نہیں بلکہ ایک اجتماعی تربیت گاہ ہے جہاں ایک مزاحم، بیدار اور ذمہ دار انسان کی تشکیل ہوتی ہے۔ حاجی محض ایک عبادت گزار نہیں بلکہ فتح کی روایت کا راوی، مزاحمت کا علمبردار اور ابھرتی ہوئی امت کا فعال رکن بن کر سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغام کے اختتامی دعائیہ مضامین بھی صرف فردی نجات یا شخصی حاجات تک محدود نہیں رہتے بلکہ اجتماعی اور سیاسی جہات اختیار کر لیتے ہیں؛ امت کے اتحاد کے لیے دعا، فلسطین کی آزادی کی آرزو، مستکبر قوتوں کی ناکامی کی تمنا اور ایک عادلانہ اور معنویت پر مبنی عالمی نظام کے قیام کی امید اس دعا کا حصہ بن جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امسال کا پیغامِ حج بعد از جنگ دور میں مزاحمت کے ایک ثقافتی منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ حج کو سیاست کی زبان، مزاحمت کو ایمان کی زبان اور خطے کے مستقبل کو وعدۂ الٰہی کی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس تصور میں مسلمان حاجی وہ شخصیت ہے جو عبادت اور عمل کو یکجا کرتی ہے؛ کعبہ کا طواف بھی کرتی ہے اور ظلم کے خلاف کھڑی بھی ہوتی ہے، دعا بھی کرتی ہے اور تاریخ سازی میں اپنا کردار بھی ادا کرتی ہے۔

رہبر انقلاب اسلامی
آیت اللہ سید مجتبیٰ حسینی خامنہ ای کا پیغام حج

بسم الله الرحمن الرحيم

لبَّیک، اللّھم لبَّیک، لبَّیک لا شریکَ لَکَ لبَّیک، اِنَّ الحَمدَ وَ النِّعمَۃَ لَکَ وَ المُلک…

اے خدا! میں تیری دعوت پر لبیک کہتا ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں اور ساری تعریفیں اور ساری نعمتیں اور مُلک و قدرت تیری طرف سے ہیں اور تجھ ہی سے تعلق رکھتے ہیں … اس سال کا موسم حج بھی آ گیا اور امت مسلمہ کے حجاج گرامی نے بندگی کا احرام پہنا اور لبیک، اللھم لبیک کی صدائیں بلند کیں تاکہ مادی اور معمول کی زندگی سے الہی اور باسعادت زندگی کی طرف ہجرت کریں، اللہ جلّ جلالہ کی بندگی کے محور اور اللہ کے شریکوں کی نفی، انکار اور برائت پر مبنی زندگی کی طرف۔ البتہ اس ہجرت کا موقع صرف اس سال کے حجاج کرام اور خانۂ خدا کے زائرین کو ہی حاصل نہیں ہے بلکہ یہ موقع، ایران اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے تمام برادران و خواہران کو، چاہے وہ جو اپنی عمر کے کسی حصے میں حج کر چکے ہیں، چاہے وہ جو ابھی حج کے مناسک ادا کرنے میں کامیاب نہیں ہو پائے ہیں، حاصل ہے۔

اس ہجرت کی شرط، اللہ کے ذکر کے محور پر دائمی احرام باندھنا ہے، حق کے محور کے گرد دائمی طواف کرنا ہے، الہی وظائف کی مشکل چوٹیوں کے درمیان دائمی سعی کرنا ہے، خبیث شیطان کو، اس کے گمراہ کن جلوؤں اور تمام پٹھوؤں کے ساتھ، ہمیشہ کنکریاں مارنا ہے، اللہ کی طرف مکمل توجہ اور خصوع و خشوع کے ساتھ وقوف ہے، راہ میں رہ جانے والے مسکین غریب کو کھانا کھلانا ہے، گمراہ کرنے والی اپنی نفسانی خواہشات اور چاہتوں کو قربان کرنا ہے اور اپنی اندرونی غلاظتوں کو صاف کرنا اور ہر وقت اور ہر صورتحال میں خدمت کے لیے اور حق کے دفاع کے پرچم کو لہرانے کے لیے تیار رہنا ہے۔ یوں ایرانی قوم نے اسلامی انقلاب کے میقات میں اسی ہجرت کی راہ پر قدم رکھا، خمینی کبیر کی ابراہیمی ندا پر لبیک کہا، اغیار کے تسلط کو تسلیم کرنے کا لباس اتار پھینکا، دنیوی و اخروی سعادت کا احرام باندھا اور لبیک کہتے ہوئے اور ہرولہ کرتے ہوئے، خالص محمدی اسلام کی تعلیمات کے محور پر طواف کرنے اور اپنے آپ کو عالمی عدل اور ولایت عظمیٰ کے نور عالم تاب سے قریب کرنے کی کوشش کی۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر و للہ الحمد، اللہ اکبر علی ما ھدانا۔

جی ہاں! اللہ اکبر ... اور اسی اللہ اکبر کے ہتھیار کے ذریعے ایران کی مسلمان قوم نے سینتالیس سال پہلے قیام کیا، پہلوی کی طاغوتی، آمر اور پٹھو حکومت کا تختہ الٹ دیا، لالچی اور مستکبر امریکا کے ہاتھ ایران سے کاٹ دیے اور صیہونی حکومت کے اثر و رسوخ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اسی اللہ اکبر کے اسلحے کے ذریعے، سرزمین ایران پر صدام کی بعثی حکومت کی جارحیت کے بعد اپنی جان کی پروا نہ کرنے والے غیور مجاہدوں اور نوجوانوں نے آٹھ سالہ مقدس دفاع کا کارنامہ رقم کیا اور مشرق و مغرب کی تمام طاقتوں کی جانب سے بعثی حکومت کی بھرپور حمایت کے باوجود اسے اس کی اوقات دکھا دی اور اس استقامت کو اگلے برسوں میں معاشی محاصرے، بغاوت، ظالمانہ پابندیوں اور اسلامی جمہوریہ کے خلاف دشمنوں کے بے شمار سیاسی، تشہیراتی اور معاشی حملے کے خلاف پوری طاقت اور استحکام کے ساتھ جاری رکھا۔

واللہ اکبر ... اللہ اکبر کا یہی نعرہ تھا جس نے ایران سے لے کر لبنان، فلسطین، عراق اور شام تک اور افریقا اور یمن سے لے کر افغانستان و پاکستان اور دنیا کی تمام حریت پسند اقوام تک، امت مسلمہ اور مزاحمتی محاذ کے مجاہد جوانوں کے آپسی رشتوں کو مضبوط بنایا تاکہ اللہ کی یہ مضبوط رسی، غاصب صیہونی جارحین کے مقابلے میں امت مسلمہ کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑی ہو، داعش کا شیرازہ بکھیر دے، طوفان الاقصیٰ کھڑا کر دے اور متزلزل صیہونی حکومت کی سانسیں روک دے۔

اللہ اکبر، جی ہاں! خداوند متعال اس سے کہیں بزرگ و برتر ہے کہ اسے دائرۂ توصیف میں لایا جا سکے ... یہ اللہ اکبر کا ہتھیار ہی تھا کہ جس پر توکل کرتے ہوئے اسلامی جمہوریۂ ایران، صیہونی حکومت کو جون 2025 میں دوسری مسلط کردہ جنگ میں اپنے وحشت ناک حملوں سے لاچار کرنے، جارح امریکا کو زوردار تھپڑ رسید کرنے اور ایران کو جھکانے کے اس کے ہدف میں ناکام کرنے میں کامیاب ہوا۔ اللہ اکبر کے اسلحے نے ایرانی قوم کو ایسی قوت و طاقت عطا کی کہ آج کی دنیا کے شقی ترین لوگوں کے ہاتھوں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے فرزند خلف، قائد عظیم الشان حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی حسینی خامنہ ای اعلی اللہ مقامہ کی شہادت کے جاں گداز واقعے کے بعد اسے الہی بعثت حاصل ہوئی اور ہر اس میدان میں جہاں ضرورت تھی، اس قوم نے بھرپور طریقے سے موجود ہو کر اپنے پر افتخار کارناموں پر دنیا کو حیرت زدہ کر دیا۔

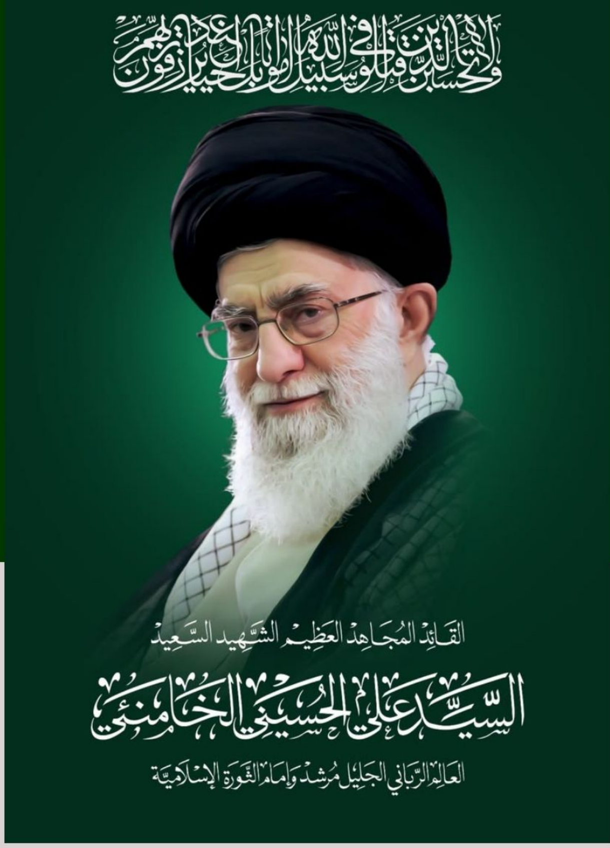

اللہ اکبر، بے شک خداوند متعال اس سے کہیں بزرگ و برتر ہے کہ اسے توصیف کے دائرے میں لایا جا سکے ... اسی اللہ اکبر کے ہتھیار کے ذریعے اسلامی مملکت ایران میں غیور مجاہدوں اور جان کی قربانی دینے والی فورسز نے مزاحمتی محاذ خاص طور پر لبنان عزیز کی مزاحمتی فورسز کے ساتھ مل کر تیسری مسلط کردہ جنگ میں امریکا اور صیہونی حکومت کی از سر تا پا مسلح دو دہشت گرد فوجوں کے خلاف زبردست فتوحات حاصل کیں، خداوند عالم پر توکل کرتے ہوئے اور اپنے مزائلوں اور ڈرون طیاروں کے ذریعے بڑے شیطان اور اس کے پالتو کتّے صیہونی حکومت کو زمین، فضا اور سمندر میں بری طرح سنگسار کیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی مدد کے سچے وعدۂ الھی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

ایک بار پھر اللہ اکبر، بے شک خداوند متعال اس سے کہیں بزرگ و برتر ہے کہ اسے توصیف کے دائرے میں لایا جا سکے اور اس کا لشکر ہر طاقت پر فتحیاب ہے ... اور اسی اللہ اکبر کے اسلحے کے ذریعے، ایرانی قوم اور مزاحمتی محاذ کی بعثت اور اٹھ کھڑے ہونے کے بعد، امت مسلمہ کی بعثت سامنے آئے گی اور مشرکوں سے برائت، حج کی رمی جمرات سے لے کر پوری دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں کی انفرادی، سماجی اور سیاسی زندگی کے تمام پلیٹ فارموں تک پھیل جائے گی۔

امت مسلمہ اور خطے کی اقوام کے درمیان بہت زیادہ مشترکہ صلاحیتیں اور مفادات ہیں جو خطے اور دنیا کے مستقبل کا نیا نظام تشکیل دیں گے۔ میں پوری صداقت اور اخلاص سے تمام اسلامی ممالک اور حکومتوں کو دوستی، تعاون، خیر خواہی اور نیکی کی دعوت دیتا ہوں کہ ہم باہمی تعاون کے ذریعے امت مسلمہ کی پیشرفت اور عالم اسلام کے مسائل کے حل کی راہ میں قدم اٹھائیں۔ جو چیز اس سلسلے میں یقینی ہے وہ یہ ہے کہ وقت کی سوئیاں، واپس نہیں ہوں گی اور خطے کی اقوام اور ان کی سرزمینیں، اب کبھی امریکی اڈوں کی ڈھال نہیں بنیں گی۔ اب امریکا کے پاس خطے میں شیطانی حرکتوں اور فوجی اڈے بنانے کا کوئی محفوظ ٹھکانہ نہیں ہوگا اور ساتھ ہی وہ روز بروز اپنی پرانی پوزیشن سے دور ہوتا جائے گا۔ متزلزل صیہونی اور اسرائیل کی سرطانی حکومت بھی اپنی منحوس عمر کے آخری مراحل کے قریب ہو چکی ہے اور اللہ کے فضل سے اور رہبر عظیم الشان قدس سرّہ کے دس سال پہلے کے ٹھوس اور مستقبل بیں قول کے مطابق، وہ اس تاریخ کے بعد کے پچیس سال نہیں دیکھ پائے گي، ان شاء اللہ۔

اس وجہ سے اس سال مشرکوں سے اظہار برائت کی اہمیت دگنی ہو جاتی ہے اور امریکا اور اسرائیل سے برائت کا میدان، حج کے موسم میں مشرکین سے برائت کے عمل سے آگے بڑھ جاتا ہے اور ایران اور دنیا کے مختلف علاقوں تک اور ان مبارک ایام کے بعد بھی امریکا مردہ باد اور اسرائیل مردہ باد، امت مسلمہ اور دنیا بھر کے مظلوموں، خاص طور پر جوانوں کا رائج نعرہ بن جائے گا۔

مستقبل، امت مسلمہ اور نئے اسلامی تمدن کا ہے اور ہم میں سے ہر ایک اپنے حوصلے، صلاحیت اور ذمہ داری کے مطابق اس مستقبل کو عملی جامہ پہنانے اور اس سے قریب ہونے میں کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس سال کے حج میں ایرانی حجاج کرام اور زائرین خانۂ خدا، دوسرے ملکوں کے اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو تیسری مسلط کردہ جنگ میں فتح کی تشریح اور تابناک مستقبل کی طرف سے انھیں پرامید بنانے میں مؤثر اور نمایاں کردار کے حامل ہیں۔ میں تمام حجاج کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ انسانیت کے نجات دہندہ عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف کے ظہور میں تعجیل کے دعا کا اہتمام کریں اور امت مسلمہ کے اتحاد، فلسطین اور مسجد الاقصیٰ کی آزادی، مسلمانوں کی بڑی مشکلات کی برطرفی اور عالمی سامراج کے خلاف ان کی حتمی کامیابی کے لیے دعا کریں اور حقیر کو بھی اپنی دعاؤں میں شامل کریں۔

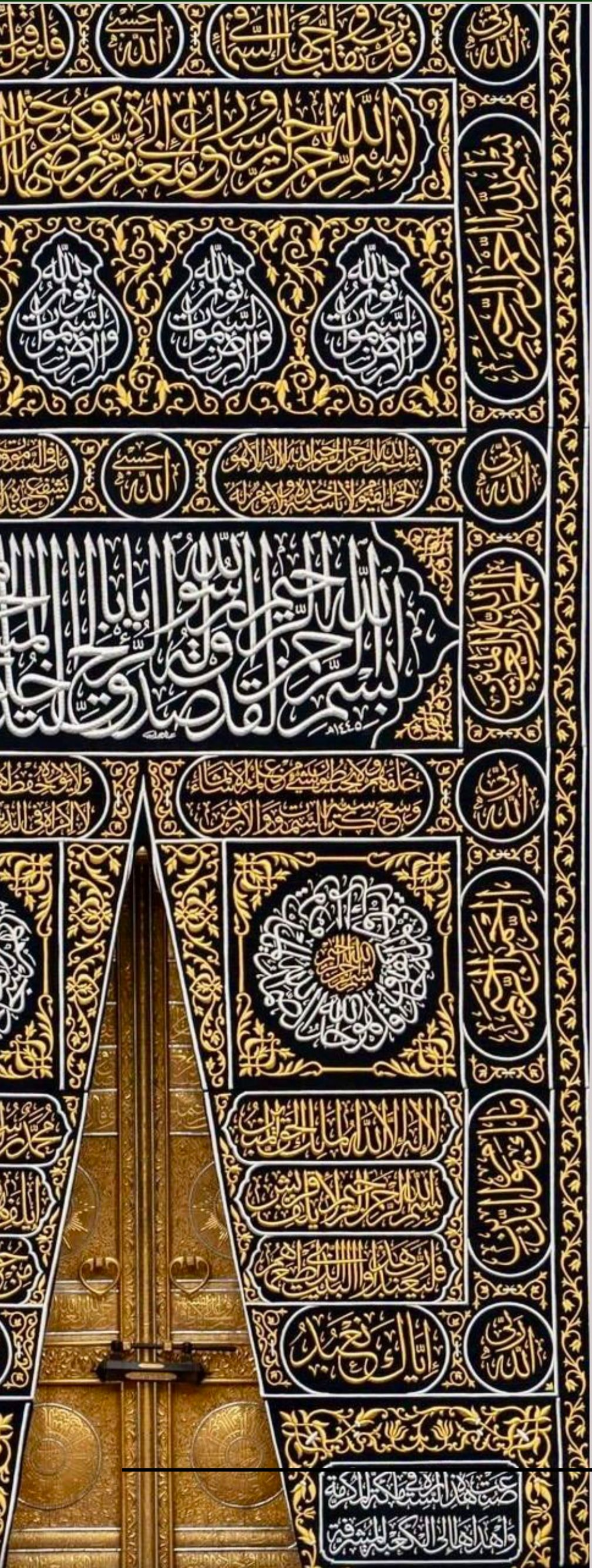

اے پروردگار! محمد اور آل محمد پر درود بھیج اور تمام حجاج کرام اور پوری امت مسلمہ پر لطف و رحمت کی نظر کر، انھیں مقبول حج کی توفیق عطا کر، ان کے دلوں کو معرفت اور بصیرت کے نور سے منور کر دے اور امت کی اصلاح کی راہ پر چلنے اور اسلام کے دشمنوں پر آخری فتح کے لیے ان کے عزم و ارادے کو مزید مضبوط کر دے۔

اے پروردگار! شہدائے راہ خدا بالخصوص مزاحمتی محاذ کے شہیدوں اور ان میں سر فہرست رہبر عظیم الشان شہید خامنہ ای اعلی اللہ مقامہ کی پاکیزہ ارواح پر اپنا فضل اور اپنی وسیع رحمت نازل فرما اور ان حاجیوں کے حج، عابدوں کی عبادت اور جدوجہد کرنے والوں کی سعی میں سے رہبر شہید کی ملکوتی روح کو ایک وافر حصہ مرحمت فرما جو قائد امت کی ہدایت سے بہرہ مند ہوئے ہیں اور ایرانی قوم اور ان کی راہ اور ہدف کو جاری رکھنے میں امت مسلمہ کی مدد کر۔

اے پرودگار! اپنی برترین صلوات اور تحیت ہمارے آقا و مولا مہدئ منتظر صلوات اللہ و سلامہ علیہ اور ان کے پاکیزہ اجداد پر نازل فرما اور ہم سبھی اور امت مسلمہ کو ان کی خالص اور مستجاب دعاؤں میں شامل کر اور دنیا کو ان کے مبارک قدموں سے منور کر دے، جیسا کہ تو نے وعدہ کیا ہے اور ہمارے دل اس ٹھوس وعدے پر اطمینان سے لبریز ہیں۔

"وَعَدَ اللہُ الَّذینَ آمنوا مِنکُم وَ عَمِلوا الصّالِحاتِ لَیَستَخلِفَنَّھُم فیالارضِ کَما استَخلَفَ الَّذینَ مِن قَبلِھِم وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَھُم دینَھُمُ الَّذِی ارتَضی لَھُم وَ لَیُبَدِّلَنَّھُم مِن بَعدِ خَوفِھِم اَمنا." (تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں اسی طرح جانشین بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنایا تھا۔ اور جس دین کو اللہ نے پسند کیا ہے وہ انھیں ضرور اس پر قدرت دے گا۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔)

والسّلام علی جَمیع اخواننا المسلمین و رحمۃ اللہ و برکاتہ

سید مجتبیٰ حسینی خامنہ ای

9 ذی الحجہ 1447

ایرانِ نوین

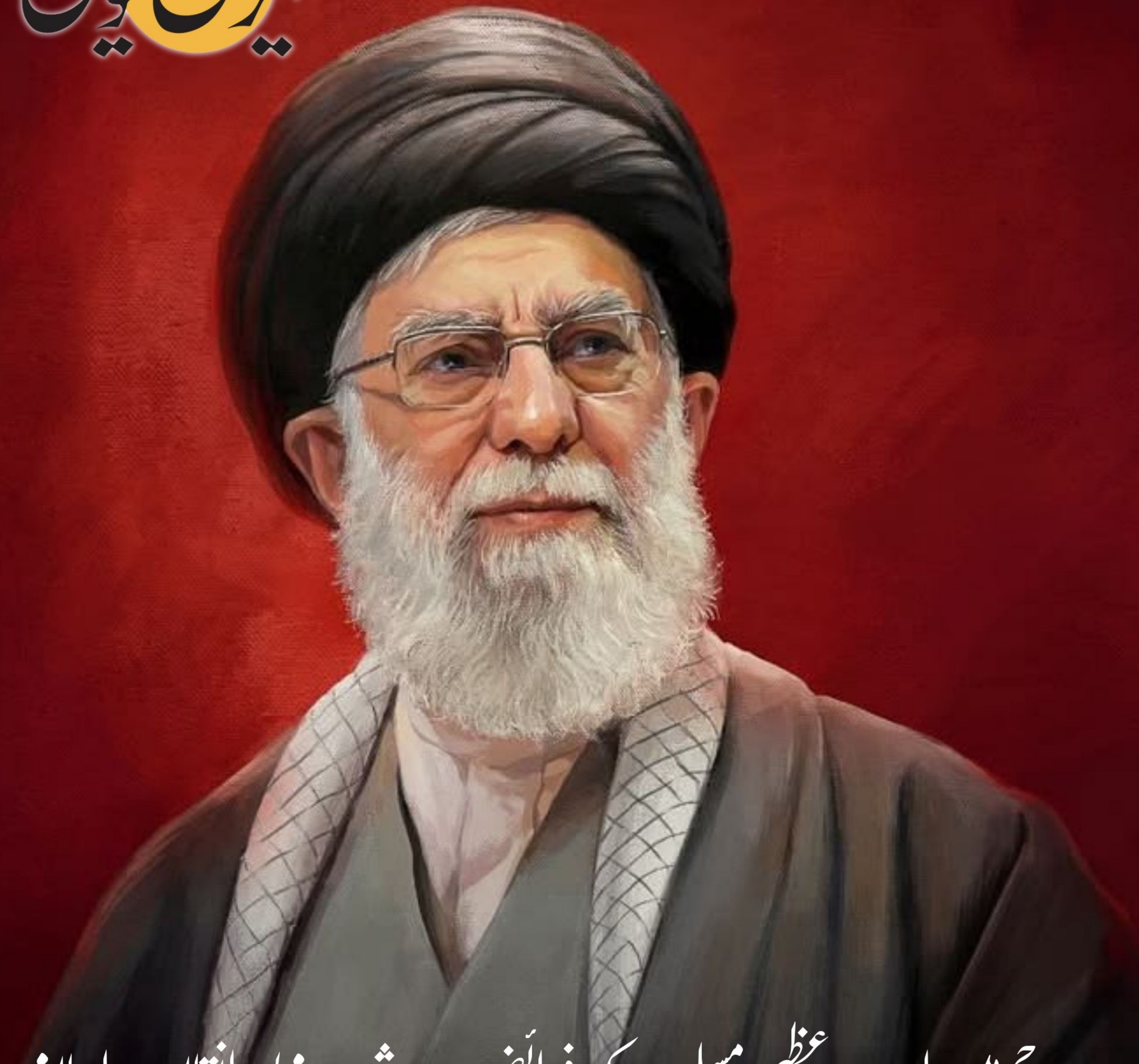

حج میں امتِ عظیم مسلمہ کے فرائض رہبرِ شہید و مجاہدِ انقلابِ اسلامی حضرت آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای (رضوان اللہ تعالیٰ علیہ) کی نظر میں

حج؛ موحد انسان کی زندگي کا ایک مجموعی مرقع

حج، اسلام کے سب سے بڑے دینی واجبات میں سے ایک ہے جس کے انفرادی و سماجی پہلو بڑے نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ "انفرادی پہلو میں ہدف تزکیہ، پاکیزگي و نورانیت تک رسائي، بے قیمت مادی ذخائر سے دوری، معنویت کی طرف رغبت، خداوند متعال سے انسیت اور اللہ تعالی کا ذکر، اس سے توسل اور اس کے حضور گڑگڑانا ہے۔" (15/4/1997) اجتماعی پہلو سے دیکھا جائے تو حرم امن الہی میں مختلف مسلم اقوام کے اجتماع کا ہدف، قومیت اور شخصیت سے پرے ایک الہی امر کو جامۂ عمل پہنانا ہے تاکہ وہاں مسلمان "ایک ساتھ رہیں، ایک ساتھ رہنے کو محسوس کریں اور اس چیز کو، جو قومیت سے بالاتر ہے یعنی مسلمان ہونا اور اتحاد اسلامی، انھیں سمجھایا جائے۔" (5/ 4/ 1995) در حقیقت خداوند عالم حج میں " موحد انسان کی زندگي کا ایک جامع مرقع پیش کرتا ہے اور ایک علامتی عمل کے ذریعے مسلمانوں کو باہدف اور بامقصد زندگي کا درس دیتا ہے۔" (18 /5/ 1993) اس طرح سے کہ حج کے تمام مناسک "اس تصویر کے ایک حصے کا علامتی اشارہ ہیں جو اسلام نے اپنے مطلوبہ اجتماع کے سلسلے میں پیش کی ہے۔" (8/10/ 2019)

برائت کا موقع

حج میں "ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے پارۂ تن کو قربانگاہ میں لا کر توحید کا ایک مظہر، جو اپنے نفس پر غلبے اور اللہ کے حکم کے سامنے پوری طرح سے سر تسلیم خم کرنے سے عبارت ہے، دنیا کی پوری تاریخ کے تمام موحدوں کے سامنے ایک یادگار کے طور پر چھوڑا۔" (18/9/ 2007) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے بھی "وقت کے مستکبروں اور زر و زور کے خداؤں کے سامنے توحید کا پرچم لہرایا اور خدا پر ایمان کے ساتھ ہی طاغوت سے برائت و بیزاری کو نجات کی شرط قرار دیا۔" (18/12/ 2007) ان تعلیمات کی بنیاد پر ایرانی قوم نے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد حج کا ایک نیا معنی اخذ کیا اور اس کے رفیع حقائق امام خمینی رحمت اللہ علیہ کے ذریعے ایرانی قوم کے لیے آشکار ہوئے، "برائت کے ہمراہ حج، مسلمانوں سے افہام و تفہیم والا حج ہے، وہ حج ہے جو "اشداء علی الکفار" اور "رحماء بینھم" والا حج ہے۔" (16/7/ 2018) اور فریضۂ حج میں ایک سب سے نمایاں سیاسی عمل، "برائت کا موقع ہے۔" (23/9/ 2015)

مشرکین سے برائت، حج کی روح

چونکہ کعبہ "اسلام کا مرکز ہے، اسلام کی روح اور حقیقت، توحید ہے اور خانۂ خدا توحید کا مظہر ہے، لہذا نعرہ، توحید کا نعرہ ہے اور برائت بھی، شرک سے برائت ہے۔" (5/4/ 1995) اپنے عمیق قرآنی مفہوم کے ساتھ توحید کا مطلب "اللہ کی طرف توجہ، اس کی طرف بڑھنا اور بتوں اور شیطانی طاقتوں کی نفی ہے۔" (18/5/ 1993) اور یہ بات کہ حج سے متعلق آیات میں "بارہا ذکر خدا کی بات کی گئي ہے، اس چیز کی نشانی ہے کہ اس گھر میں اور اس کی برکت سے اللہ کے علاوہ ہر عنصر مسلمانوں کے ذہن اور عمل سے باہر نکال دیا جانا چاہیے اور ان کی زندگي سے شرک کی مختلف قسموں کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔" (18/5/ 1993) یہی وجہ ہے کہ "مشرکین سے برائت اور بتوں اور بت پرستوں سے بیزاری، مومنوں کے حج کی جان ہے۔ حج کا ہر مقام اپنا دل خدا کے حوالے کرنے، اس کی راہ میں کوشش اور جدوجہد، شیطان سے برائت، اسے دھتکارنے اور کنکری مارنے اور اس کے مقابلے محاذ تیار کرنے کی عکاسی کرتا ہے۔" (18/12/2007)

شرک سے جنگ

حج میں برائت کا مطلب "دشمن کی سازش کو برملا کرنا اور اس سے بیزاری کا اعلان ہے۔" (1/4/ 1998) "ہر زمانے کے طاغوتوں کی تمام بربریت، مظالم، برائیوں اور بدعنوانیوں سے بیزاری اور وقت کے مستکبروں کی منہ زوری کے مقابلے میں استقامت ہے۔" (5/8/ 2019) اسی لیے برائت کا پروگرام، "ان سب سے برائت و بیزاری کے اعلان کا وسیلہ ہے اور یہ ان شیطانی عناصر کی نفی اور تمام اسلامی معاشروں پر اسلام اور توحید کی حکمرانی کے قیام میں اسلامی عزم کے عملی شکل اختیار کرنے کی راہ میں پہلا قدم ہے۔" (18/5/ 1993) بنابریں برائت میں جو جنگ ہے، وہ شرک کے ساتھ جنگ ہے، کفر کے ساتھ جنگ ہے، وہ جنگ جو حج میں نہ ہو تو وہ بھائیوں اور مومنین کی آپس میں جنگ ہے۔" (11/9/ 2013)

مشرکین سے برائت: تشریح کے موقع سے لے کر مسلمانوں کی عزت کی تقویت تک

دوسری جانب مشرکین سے برائت، امت مسلمہ کے لیے کچھ اقدامات اور اثرات کی حامل ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ "آج (مغربی ایشیا کے) اس خطے میں امریکا کی شر پسندانہ پالیسیاں ایک طرف اور صیہونی حکومت کے جرائم دوسری طرف، تمام مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہیں۔" (23/9/ 2015) اور "اس سلسلے میں تشریح، حقائق کو برملا کرنے اور سامراج و امریکا سے برائت کے اعلان کے لیے حج کے موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔" (20/12/ 2004) دوسری بات یہ کہ اگر حج صحیح اور مکمل ہو تو "پہلے امت مسلمہ کی تمام مشکلات کو بڑھنے سے روک دیتا ہے، پھر انہیں ختم کر دیتا ہے اور پھر اسلام کی عزت، مسلمانوں کی زندگي کی بہتری اور اغیار کے شر سے اسلامی ملکوں کی آزادی و خودمختاری کا منبع بن جاتا ہے۔" (23/4/ 1996) اور تیسری بات یہ کہ مشرکین سے برائت کا پروگرام حج میں ایک بڑی تبلیغ ہے "یہ موجودگي ہی اپنے آپ میں تبلیغ ہے۔ یہ اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ آپ نے حج کو اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ، ایک مکمل پیکیج کے طور پر قبول کیا ہے۔" (26/10/ 2009)

شرک ہمیشہ ایک جیسا نہیں ہوتا

البتہ شرک ہمیشہ ایک ہی طرح کا نہیں ہوتا۔ بت ہمیشہ لکڑی، پتھر اور دھات کی مختلف شکلوں میں ہی ظاہر نہیں ہوتے۔ خانۂ خدا اور حج کے تعلق سے ہر زمانے میں شرک کو اس زمانے کے مخصوص لباس میں اور خدا کے شریک بت کو اس دور کی مخصوص شکل میں پہچاننا اور اس کی نفی کرنا اور اسے مسترد کرنا چاہیے۔ (16/6/ 1991) لیکن "بے شک آج اور ہمیشہ وہی طاقتیں ہیں جنھوں نے انسانی زندگي کے نظام کی حکمرانی کو زبردستی اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور آج سب سے زیادہ واضح سامراجی طاقت، امریکا کی شیطانی طاقت، مغربی کلچر کی طاقت اور وہ بے راہ روی اور بدعنوانی ہے جو یہ طاقتیں مسلم ممالک اور اقوام پر مسلط کر رہی ہیں۔ (15/5/ 1994)

مظلوموں کے قتل اور جنگ کی آگ بھڑکانے سے برائت

لہذا آج کل مشرکین سے برائت کا پروگرام "آج استکباری قوتوں اور ان میں سر فہرست امریکا کے کفر و شرک کے محاذ سے اعلان برائت کا مطلب، مظلوم کے قتل عام اور جنگ بھڑکانے سے بیزاری ہے، امریکی بلیک واٹر اور داعش جیسے دہشت گردی کے مراکز کی مذمت ہے ... بچوں کی قاتل صیہونی حکومت اور اس کی پشت پناہی کرنے والوں اور اس کے مددگاروں کے خلاف امت اسلامیہ کی فلک شگاف پکار ہے، مغربی ایشیا اور شمالی افریقا کے حساس علاقے میں امریکا اور اس کے حامیوں کے جنگ بھڑکانے کی مذمت ہے ... جغرافیائی محل وقوع یا نسل یا جلد کے رنگ کی بنیاد پر تفریق و نسل پرستی سے بیزاری ہے، اس کا مطلب اس شرافت مندانہ، نجیبانہ اور منصفانہ روش کے مقابلے میں جس کی اسلام دعوت عام دیتا ہے، جارح و فتنہ انگیز طاقتوں کی استکباری اور خبیثانہ روش سے بیزاری ہے۔"(6/7/ 2019) اور "آج مسلمان حج میں جو برائت کا نعرہ لگاتا ہے وہ سامراج اور اس کے زرخریدوں سے برائت کی آواز ہے جن کا اثر و نفوذ ، افسوس کا مقام ہے کہ اسلامی ملکوں میں زیادہ ہے اور انھوں نے اسلامی معاشروں پر شرک آلود نظام زندگی، مشرکانہ سیاست اور ثقافت مسلط کر کے، مسلمانوں کی زندگی میں 'عملی توحید' کی بنیادیں منہدم کر دی ہیں اور انھیں غیر خدا کی عبادت میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کی توحید صرف زبانی ہے، توحید کا صرف نام ہے اور ان کی زندگی میں توحید کے معنی کا کوئی اثر باقی نہیں بچا ہے۔" (16/6/ 1991)

مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن

البتہ آج مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن صیہونی اور وہ لوگ ہیں جو ان کی مدد کرتے ہیں کیونکہ "حالیہ صدیوں کا سب سے بڑا ظلم، فلسطین میں ہوا ہے۔ اس دردناک واقعے میں، ایک قوم کی ہر چیز، اس کی سرزمین، اس کا گھر، کھیت اور اثاثہ، اس کی عزت اور اس کی پہچان چھین لی گئي ہے۔" (10/8/ 2019) اور "آج جو بھی صیہونیوں کی حمایت کرتا ہے، چاہے وہ امریکا اور برطانیہ وغیرہ جیسے سامراجی ممالک کے حکام ہوں یا اقوام متحدہ وغیرہ جیسے عالمی ادارے ہوں جو کسی نہ کسی طرح، یا اپنی خاموشی سے یا اپنے بیانوں اور غیر منصفانہ رائے زنی سے ان کی حمایت کرتے ہیں، اس معاملے میں شریک جرم ہیں۔ پورا عالم اسلام ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہو، مقابلہ کرے، برائت کا اعلان کرے ... یہ ایک اجتماعی فریضہ ہے۔" (29/7/ 2014)

برائت کا حج

حج "امت مسلمہ کے عقیدے کے اظہار اور موقف کے اعلان کی ایک جگہ" (30/7/ 2017) ہے اور امت مسلمہ اپنے صحیح اور قابل قبول اور قابل اتفاق رائے موقف کو بیان کر سکتی ہے، قابل قبول اور قابل اتفاق رائے... اقوام، مسالک۔ ممکن ہے حکومتیں کسی اور طرح سوچیں، کسی اور طرح کام کریں لیکن اقوام کا دل، الگ چیز ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اقوام مختلف معاملات میں اپنے موقف کا اظہار کر سکتی ہیں۔ (30/7/ 2017) اگرچہ برائت، ابتدائے انقلاب سے ہی حج میں موجود رہی ہے (2024/5/6) لیکن غزہ کے بڑے اور عجیب واقعات کے پیش نظر خاص طور پر اس سال کا حج، حج برائت ہے۔ (2024/5/6) اور مومن حجاج کو اس قرآنی منطق کو پوری اسلامی دنیا میں منتقل کرنا چاہیے۔ آج فلسطین کو اسلامی دنیا کی پشت پناہی کی ضرورت ہے۔ (2024/5/6)

البتہ اسلامی جمہوریہ نہ تو کسی کے انتظار میں بیٹھی رہی اور نہ آگے بیٹھی رہے گی لیکن اگر مسلم اقوام اور مسلمان حکومتوں کے مضبوط ہاتھ اطراف و اکناف سے آ کر ساتھ دیں تو اس کا اثر بہت زیادہ ہو جائے گا۔ پھر فلسطینی عوام کی المناک حالت اس طرح جاری نہیں رہے گی، یہ فریضہ ہے۔ (2024/5/6)

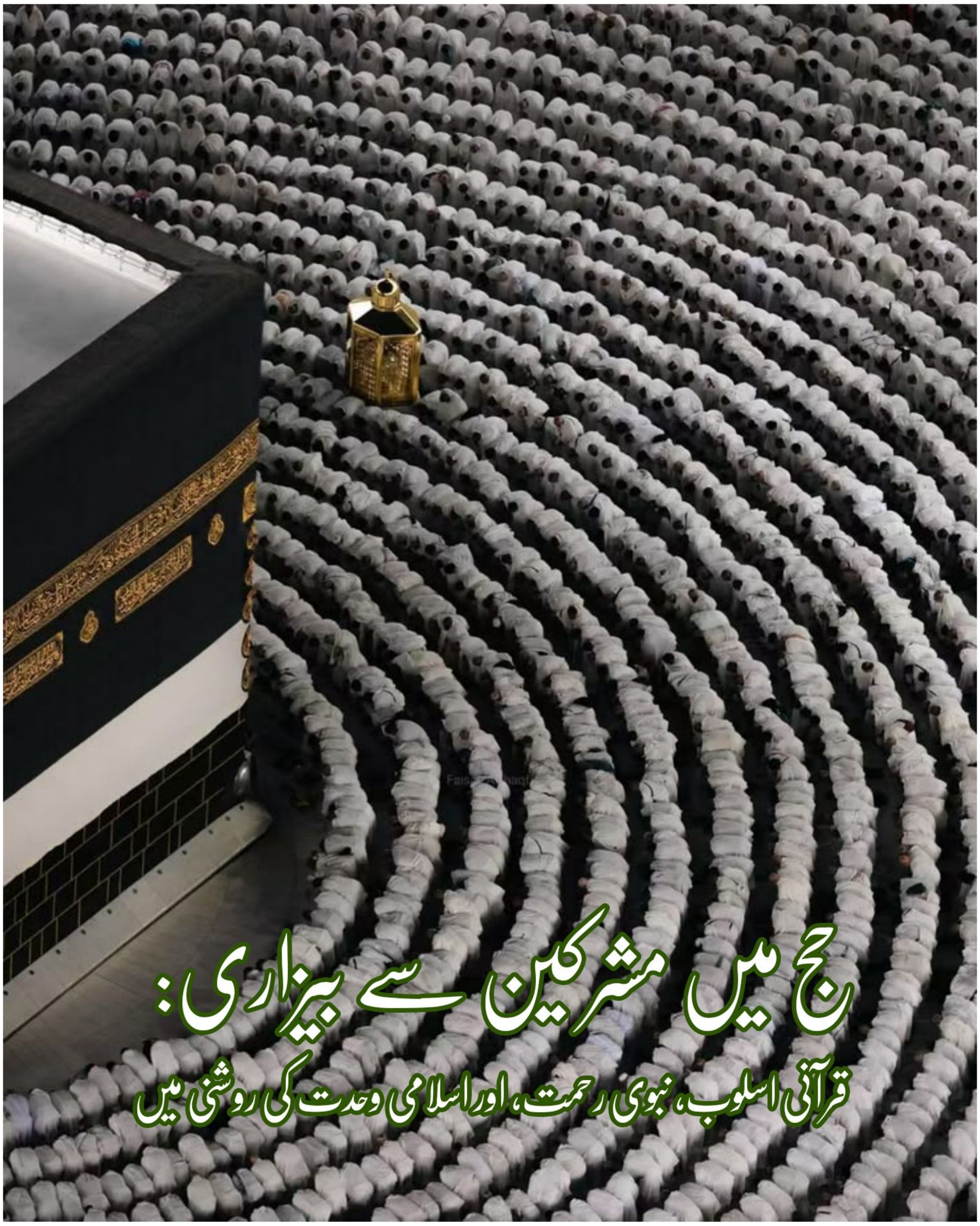

حج میں مشرکین سے بیزاری:
قرآنی اسلوب، نبوی رحمت، اور اسلامی وحدت کی روشنی میں

ولی فقیہ کے نئے نمائندہ برائے امور حج
امیرالحاج حجۃ الاسلام والمسلمین سید عبدالفتاح نواب

فریضۂ حج، عبادتِ توحید کی عظیم ترین علامت، اپنے عبادتی اور روحانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی عالمگیر اجتماع گاہ، انسان کی تربیت کے لیے ایک جامع مکتب، امتِ مسلمہ کی عظمت کی بحالی، اور مسلمانوں کی بیداری، ذمہ داری اور اتحاد کا ایک شاندار مظاہرہ ہے۔

سال ۱۴۰۵ (ہجری شمسی) کے حج تمتع کا نعرہ "حج؛ قرآنی سلوک، نبوی رحمت اور وحدتِ امتِ اسلامی" موجودہ دور میں اس الٰہی فریضے کے عمیق پہلوؤں کو ازسرِنو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جسے، پہلے سے کہیں زیادہ، روحانیت، ہمدردی، اور اسلام کے اصیل تعلیمات کی طرف لوٹنے کی ضرورت ہے، بالخصوص اس آیت کے دائرے میں: "أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ" (الفتح: ۲۹)۔

حج کے اہم ترین سیاسی-عبادی تصورات میں سے ایک "مشرکین اور ظالموں سے بیزاری" ہے۔ یہ تصور قرآن کریم کی اس آیت میں وجود رکھتا ہے: "وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ" (التوبہ: ۳)۔

بیزاری امتِ مسلمہ کا -ظلم، استکبار، شرک، اور استبداد کے خلاف موقف ہے، نیز ان جابرانہ نظاموں اور رجحانات کے خلاف اعلامیہ ہے جو انسان کے وقار کو پامال کرتے ہیں، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں، اور اپنے جارحانہ اہداف کے حصول کے لیے قتل و غارت گری کرتے ہیں۔

حج میں مختلف نسلوں، زبانوں اور مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمان جمع ہوتے ہیں تاکہ اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ اپنی وحدت اور ہمبستگی کا مظاہرہ کریں۔ ایسے ماحول میں، انسانیت اور اسلام کے دشمنوں سے بیزاری زیادہ واضح معنی اختیار کر لیتی ہے۔

قرآنی سلوک کا مطلب ہے انسان کا اللہ کی ہدایت کے راستے پر قرآن کریم کی تعلیمات کی بنیاد پر چلنا، اور حج کے تمام مناسک (احرام سے لے کر طواف، سعی، عرفات، مشعر، منیٰ، جمرات تک) میں بندگی، تقویٰ، صبر، اخلاص، توحید اور بیزاری کی مشق کرنا۔

قرآنی سلوک کے حاجی نہ صرف مناسک ادا کرتے ہیں، بلکہ قرآن کی روح کو اپنے رویے اور اخلاق میں ظاہر کرتے ہیں، جھگڑے اور خودغرضی سے دور رہتے ہیں، دوسروں کا احترام کرتے ہیں، اور اسلامی بھائی چارے اور استکبار سے مقابلے کے جذبے کو فروغ دیتے ہیں۔

اگر نبوی رحمت امت کے درمیان تعامل کا نمونہ ہے (اور ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)، اور اگر حج، نبوی سیرت کا اخلاق، بردباری، مہربانی اور عدل کے حوالے سے ازسرِنو مطالعہ کرنے کا موقع ہے تو رحمت یہ تقاضا کرتی ہے کہ امتِ مسلمہ جھگڑے اور تفرقے کی بجائے اپنے مشترکات پر زور دے اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف متحد ہو۔

رسولِ اکرم (ص) نے حجۃ الوداع میں مسلمانوں کے خون کی حرمت، انسانوں کے وقار اور امت کی وحدت پر زور دیا تھا، اور آج عالمِ اسلام کو پہلے سے کہیں زیادہ اسی پیغام کے احیاء، اور اخلاص، نظم، درگزر اور بھائی چارے کی مشق کی ضرورت ہے۔

جو معاشرہ قرآنی سلوک کی بنیاد پر تشکیل پائے گا، وہ دباؤ اور مشکلات کے سامنے زیادہ استحکام اور امید رکھے گا۔ وہ تعاون، ہمدردی اور سماجی ذمہ داری کا جذبہ جو حج میں پیدا ہوتا ہے، اسلامی معاشروں میں بہت سے سماجی اور معاشی مسائل کو کم کرنے میں مدد کر سکتا ہے۔

حج کے اہم ترین ثمرات میں سے ایک "امتِ واحدہ" کا قیام ہے۔ وحدتِ امتِ اسلامی کا مطلب ہے مشترکہ خطرات کے خلاف ہم آہنگی اور تعاون۔ حج، اسلامی قوموں کے درمیان گفتگو، ہمدردی اور تعاون کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کر سکتا ہے، تاکہ اسلام کے دشمنوں کی تفرقہ ڈالنے، مسلمانوں کو کمزور کرنے، اور ان کی تقدیر پر غلبہ حاصل کرنے کی کوششوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

اسلام کے دشمنوں سے بیزاری اسی تناظر میں معنی رکھتی ہے، کیونکہ وحدت دشمن کی پہچان کے بغیر ممکن نہیں۔ اور امتِ مسلمہ اس وقت عزت اور ترقی حاصل کر سکتی ہے جب وہ بھائی چارے اور رحمت کو برقرار رکھتے ہوئے ظلم، استبداد، جارحیت اور جنایت کے خلاف واضح اور مشترکہ موقف اختیار کرے۔

بیزاری، بیداری اور ہمبستگی کا پیغام — بحران کے زمانے میں

آج یہ پیغام ایسے حالات میں دیا جا رہا ہے جہاں عالمِ اسلام اور پوری انسانیت مختلف اخلاقی، معاشی، سلامتی اور انسانی بحرانوں کا شکار ہے۔ ان سب سے بڑھ کر اس دور کا بےلگام، خونخوار دندانوں والا فرعون (استکبار) اور صہیونی حکومت کے لامحدود جرائم ہیں، جو خطے کی قوموں — خاص طور پر فلسطین سے لے کر ایران تک — کے خلاف کیے جا رہے ہیں۔ آج پہلے سے کہیں زیادہ دنیا کو روحانیت، عدل، آزادی اور حق کی طرف لوٹنے کی ضرورت ہے۔

ایرانِ اسلامی پر دو جارحانہ جنگیں مسلط کرنا، شہید امام (خمینی) اور ان کے صالح جانشین (شہید) اور کمانڈروں، سائنسدانوں، معصوم لوگوں اور حتیٰ کہ میناب کے شجرہ طیبہ سکول کے مظلوم معصوم بچوں کی شہادت، نیز ہماری قوم اور غزہ کے لوگوں پر انتہائی درندہ صفت جرائم اور ظالمانہ محاصرہ — یہ ہمارے زمانے کے وہ درد ہیں جن کی مثال تاریخِ انسانی میں بےمثال ہے۔

ایسے ماحول میں حج، سکون، بیداری، بھائی چارے اور استحکام کا پیغام لا سکتا ہے اور مسلمانوں کو یاد دلا سکتا ہے کہ انہیں قوموں کے درد اور انسانوں کے مسائل سے بےخبر نہیں رہنا چاہیے۔ اس نقطہ نظر سے بیزاری، ایک نعرے سے کہیں بڑھ کر، ایک اخلاقی اور انسانی ذمہ داری ہے۔

دنیا اور خطے میں بڑھتا ہوا تشدد، جنگیں، دھمکیاں، جرائم اور عدم تحفظ، اور وہ واقعات جن کے سنگین اثرات عام لوگوں کی زندگیوں پر سایہ فگن ہیں، شہداء اور ایثار کرنے والوں کے خاندانوں اور ان افراد کا درد جن کی سلامتی اور سکون چھن چکا ہے یا خطرے میں ہے، نوجوانوں کی توقع جو اپنے سامنے ایک مبہم مستقبل دیکھتے ہیں، اور وہ قومیں جو معاشی اور نفسیاتی دباؤ کا شکار ہیں — سب پہلے سے کہیں زیادہ امید، ہمبستگی، اور انسانی اور الٰہی اقدار کی طرف لوٹنے کے محتاج ہیں۔

ایرانی قوم بھی پچھلے ایک سال میں بےپناہ معاشی، نفسیاتی اور سیکیورٹی دباؤ برداشت کر چکی ہے۔ ایسے حالات میں سماجی سکون، قومی یکجہتی، اور عمومی امید کو برقرار رکھنا ایک بنیادی ضرورت ہے۔ جو معاشرہ ہمدردی اور اعتماد کے سرمائے کو بچائے رکھتا ہے، وہ بحرانوں سے نکلنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔

حج، دنیا کے مسلمانوں کی وحدت، عزت اور امید کا سب سے بڑا مظاہرہ ہے، اور مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ عبادت اور روحانیت کے ساتھ ساتھ قوموں کی تقدیر، انسانوں کے درد، اور ہمبستگی کو برقرار رکھنے کی ضرورت کے بارے میں زیادہ ذمہ دار بنیں۔

آج امتِ مسلمہ کو پہلے سے کہیں زیادہ قرآن کی طرف، رسولِ رحمت (ص) کی سیرت کی طرف، حج کے اتحاد پیدا کرنے والے جذبے کی طرف، اور امت کے دشمنوں کے مقابلے میں بہادری اور استقامت کے جذبے کی طرف لوٹنے کی ضرورت ہے، اور یہ سب کچھ ہمارے عظیم الشان قائد، آیت اللہ امام سید مجتبیٰ خامنہ ای (حفظہ اللہ تعالیٰ) کی قیادت میں ممکن ہے۔ صرف بیداری، روحانیت، ہمدردی اور امید کے سایے میں ہی مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے اور ایک محفوظ تر اور انسانی تر مستقبل تعمیر کیا جا سکتا ہے۔

موسیقی ویڈیو: حضرت ابراہیمؑ بت شکن

ایران نوین

حج کا نغماتی ویڈیو – امتِ مسلمہ کا اتحاد – شیاطین کو کنکریاں مارنا

حج کا نغماتی ویڈیو – شیطان کو کنکریاں مارنا

امتِ اسلامی کی وحدت آفرین حرکت
رہبر شہید کے کلام میں موسم حج میں

عطیہ کشتکاران
ڈاکٹر فلسفۂ دین دانشگاہ تہران سے، طلبہ

اقامۂ حج کو پہلی نظر میں ایک منفرد عرفانی تجربہ سمجھا جاتا ہے جو ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر واجب ہے۔ رہبرِ شہیدِ انقلابِ اسلامی اس پہلو کو حج کا «ذکر» قرار دیتے تھے اور اس کے دوسرے پہلو کو «اتحاد و وحدتِ امتِ اسلامی» کہتے تھے۔ حجِ ابراہیمی کے یہ دو پہلو ان کے پیغامات اور حج بجا لانے والوں سے ملاقاتوں میں بار بار بیان ہوئے ہیں اور اس فریضے کے بارے میں ان کی کلی نگاہ کی بنیاد ہیں۔ اس بات پر توجہ دینا ضروری ہے کہ ان کے نزدیک ذکر اور اتحاد کے درمیان ربط کا عنصر «حرکت» ہے۔ «خود حج حرکت کے عنصر کا حامل ہے؛ عبادت ہے مگر اس عبادت میں انسان دیکھتا ہے کہ حرکت موجود ہے۔» یہ حرکت عبادی مناسک جیسے طواف اور سعی کو بھی شامل ہے، مسلمانوں کے ایک جغرافیہ میں جمع ہونے کو بھی، اور امتِ اسلامی کی وحدت کے لیے اجتماعی فیصلے اور حرکت کو بھی۔ چنانچہ حاجیوں کی وحدت‌آفرین حرکت تین مراحل میں آگے بڑھتی ہے: مسلمانوں کا اجتماعی اجتماع، ایک دوسرے کے ساتھ ہمزیستی، اور دشمن سے بیزاری کا اجتماعی فیصلہ۔

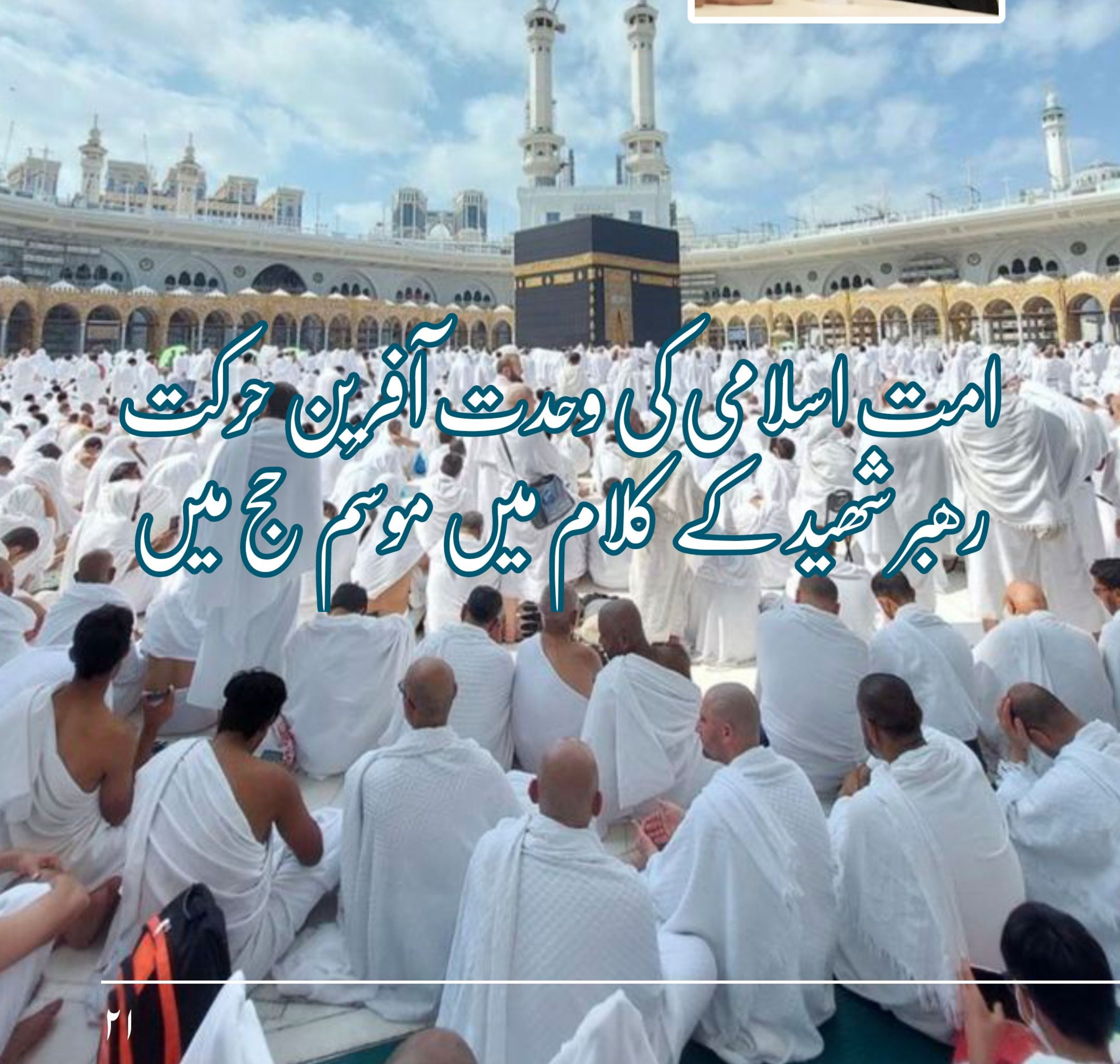

۱. مسلمانوں کا اجتماع۔

مسلمانوں کی عظیم اجتماعیت حج دنیا میں عام اجتماعات اور کانفرنسوں کی طرح نہیں ہے۔ ایک طرف تو یہ حج کی دعوت عام لوگوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو دعوت دی ہے کہ وہ ہر سال مخصوص چند دنوں میں ایک مخصوص جگہ پر اکٹھے ہوں۔ لیکن اس جسمانی قرب کے پیچھے ایک معنی پوشیدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ الٰہی ارادہ اس پر قائم ہے کہ مسلمانوں کے افراد ایک دوسرے کے قریب آئیں تاکہ ایک دوسرے کو پہچانیں، باہم مشورہ کریں اور فیصلہ کریں۔

۲. ایک دوسے کے ساتھ ہمزیستی

شہید آیت اللہ خامنہ‌ای کے بیان میں صرف اجسام کا جمع ہونا لازمی طور پر ہم فکری اور فیصلے کا سبب نہیں بنتا۔ بلکہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس فریضے کے دوران ایک دوسرے کے ساتھ ہمزیستی کا طریقہ سیکھیں۔ «اس کا مقدمہ تفاہم ہے، قومیتوں سے عبور کرنا، مذہبی اور فرقہ وارانہ تفرقوں سے عبور کرنا۔ اسلام میں مختلف مذاہب ہیں جو ایک ساتھ، سب ایک طرح سے، سب ایک لباس میں، سب ایک حرکت کے ساتھ، سب ایک جگہ [حج میں جمع ہوتے ہیں]؛ یہ الٰہی اجتماع ہے، یہ اسلامی اجتماع ہے۔»

وہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد بڑھانے کے لیے دو نمایاں اسلامی عناصر پر زور دیتے تھے: مسجدالحرام میں نمازِ باجماعت کی اقامت، اور حاجیوں کے درمیان قرآن کی تلاوت۔ «کوشش کریں یہ اتحاد ٹوٹنے نہ پائے۔ ائمہ (علیہم السلام) مسجدالحرام میں اس امام کے پیچھے نمازِ باجماعت میں جاتے تھے جو نماز پڑھاتا تھا، امام صادق (ع) جاتے تھے شریک ہوتے تھے۔ ... ہاں، اختلافِ رائے ہے، عقائد میں بھی اختلاف ہے، مگر اشتراکِ رائے بھی ہے ... ایک چیز جو اتحاد کا ذریعہ بن سکتی ہے، وہ ان محترم قاریوں سے استفادہ کرنا ہے۔ سنا ہے کہ الحمدللہ اس سال بھی کچھ قاری جا رہے ہیں؛ یہ بہت اچھا کام ہے۔ ایک کام جو وحدت پیدا کرتا ہے، یہی ہے۔ قرآن مسلمانوں کے درمیان وحدت کا ذریعہ ہے۔»

۳.دشمن سے برائت میں اجتماعی ارادہ۔

آیت اللہ خامنہ‌ای کی فکر میں حج کا مقصد تمام مسلمانوں کی طرف سے اسلام کے دشمنوں اور ان میں سرِ فہرست صہیونی حکومت سے برائت کا اظہار ہے۔ دشمن سے برائت کوئی نئی ایجاد نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم (ع) بھی «مضبوطی سے کھڑے ہوتے ہیں اور برائت کا اظہار کرتے ہیں: إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ (بےشک ہم تم سے بیزار ہیں)؛ وَ بَدا بَینَنا وَ بَینَکُمُ العَداوَةُ وَ البَغضاء (اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور عداوت ظاہر ہو گئی)؛ ہم تمہارے صریح دشمن ہیں اور دشمنی کریں گے۔ یہ لوگ کون ہیں؟ وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں۔» قرآن کے بیان سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ صہیونی حکومت مسلمانوں کے قتل و غارت گری کی وجہ سے، اور امریکہ اس حکومت کی امداد کی وجہ سے ظالم ہیں اور ان سے بیزاری ضروری ہے۔

امتِ اسلام کی وحدت محض نعرہ، بیان اور اعلامیہ نہیں ہے۔ شہید رہنما نے اپنی گفتگو میں اس وحدت کی پشت پناہی سے مسلم معاشروں کے دکھ اور مصائب کے ازالے کے لیے اقدامات بھی بیان کیے ہیں۔ «ہم مظلوم فلسطین کی مدد، زخمی یمن کے پیکر پر ہمدردی، اور دنیا کے کسی بھی حصے میں ظلم کے تحت زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کی فکر کو اپنی ہمیشہ کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں۔ ہم بعض مسلم ممالک کے سربراہوں کو نصیحت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ وہ حکمران جو اپنے مسلمان بھائی پر بھروسہ کرنے کی بجائے دشمن کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں، اور تھوڑے دنوں کے ذاتی فائدے کے لیے دشمن کی ذلت اور زیادتی برداشت کرتے ہیں، اور اپنی قوم کی عزت اور آزادی پر سودا کرتے ہیں۔ ... ہم انہیں نصیحت کرتے ہیں اور اس رویے کے تلخ انجام سے ڈراتے ہیں۔ ہم مغربی ایشیا (مشرقِ وسطیٰ) میں امریکہ کی موجودگی کو خطے کی قوموں کے لیے نقصان دہ اور ممالک کی عدم تحفظ، تباہی او

مشرکین سے برائت (بیزاری) اور عصر حاضر کے علاقائی تنازعے کے زیرِ سایہ سیاسی شعور کی بازسازی

نورا فرحات – الجزائری محقق

جمہوری اسلامی ایران اور امریکی-صہیونی محور کے درمیان جاری تصادم کے پیشِ نظر، مشرق وسطیٰ کے علاقے نے حالیہ برسوں میں سیاسی اور فوجی کشیدگیوں اور جھڑپوں میں نمایاں اضافہ دیکھا ہے۔ اس کی وجہ سے یہ علاقہ سیاسی اور علاقائی اتحادوں کی نوعیت میں گہری تبدیلیوں سے گزرا ہے۔

یہ تنازعات اب صرف فوجی یا سیکیورٹی پہلو تک محدود نہیں رہے، بلکہ ثقافتی، علامتی اور شعور کی تشکیل کے میدانوں تک پھیل گئے ہیں، اس طرح کہ یہ کشمکش اب شناخت، دشمن کی پہچان، اور اسلامی معاشروں میں سیاسی ادراک کی بتعمیر نو پر بھی جاری ہے۔

یہ صورتِ حال اسی وقت سامنے آئی جب تعلقات کی نارملائزیشن کی لہر شروع ہوئی، جس میں صہیونی حکومت کے ساتھ کچھ عرب نظاموں نے شمولیت اختیار کی۔ اس نے عربی سیاسی گفتار کے ڈھانچے میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں اور ایک بار پھر فلسطین کے مسئلے کے مقام، دین و سیاست کے تعلقات کی حدود، اور موجودہ دور میں دوستی اور برائت کے معیارات کے بارے میں بنیادی سوالات اٹھا دیے۔

ایسے حالات میں، "مشرکین اور مستکبرین سے برائت" کا تصور، جو غلبے، استکبار اور خطے میں تصادم کی نوعیت کی نئی تعریف کے بارے میں بڑھتی ہوئی بحثوں کے بعد، ایک قرآنی تصور کے طور پر، عصری مذہبی اور سیاسی گفتار میں ایک بار پھر فعال ہو گیا ہے۔

برائت کا تصور اسلام کے اعتقادی ڈھانچے میں بنیادی تصورات میں سے شمار ہوتا ہے، اور جیسا کہ قرآنی متون میں آیا ہے، چونکہ اس کا تعلق توحید کے اعلان اور شرک، ظلم اور سرکشی سے دوری سے ہے، اس لیے یہ تصور عصری اسلامی فکر میں معنوی تبدیلیوں سے گزرا ہے اور محض عبادی یا اعتقادی مرحلے سے آگے بڑھ کر ایک سیاسی گفتار کا حصہ بن گیا ہے جو عالمی تنازعات کی تفسیر کرنے، دشمن کی نئی تعریف کرنے اور امت مسلمہ کے اجتماعی شعور کو تشکیل دینے کی کوشش کرتا ہے۔

موجودہ علاقائی تبدیلیوں، خاص طور پر تعلقات کی نارملائزیشن کے عمل کے پھیلاؤ اور سیاسی و فوجی تصادم میں اضافے کے ساتھ، شناخت اور مزاحمت سے منسلک گفتار کی نئے سرے سے تشکیل میں مدد ملی ہے اور برائت کے تصور کو عالم اسلام میں سیاسی اور ثقافتی شعور کی جنگ کے ایک حصے کے طور پر پیش کیا ہے۔

اب برائت پر بحث محض عبادی یا فقہی پہلوؤں تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ حاکمیت، تمدنی آزادی، اور عصری بین الاقوامی نظام میں امت مسلمہ کے مقام جیسے موضوعات سے جڑ گئی ہے۔

اس کے باوجود، سیاسی میدان میں برائت کے تصور کو استعمال کرنا، اس تصور کے مختلف تصورات کے پیشِ نظر، بیک وقت متعدد فکری اور علمی مسائل کو بھی جنم دیتا ہے۔ کچھ اسے ظلم اور غلبے کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک تمدنی اصول سمجھتے ہیں، جبکہ کچھ اسے تقابلی یا فرقہ وارانہ جہتوں تک محدود کر دیتے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جس کے نتیجے میں امت مسلمہ میں تقسیم میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

اسی لیے، ہمیں اس تصور پر ایک علمی اور متوازن نقطہ نظر کی ضرورت ہے، تاکہ اس کی قرآنی جڑوں اور تمدنی اہداف، اور موجودہ حقیقت میں اس کے بعض سیاسی یا نظریاتی استعمال کے درمیان فرق کیا جا سکے۔

اس تحقیق کی اہمیت اس کی کوشش سے پیدا ہوتی ہے کہ وہ موجودہ علاقائی تنازعات کے زیرِ سایہ برائتِ مشرکین کے تصور میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا تجزیہ کرے، اور عصری اسلامی سیاسی شعور کی تعمیر میں اس کے کردار کے پیشِ نظر، خاص طور پر ایران اور امریکی-صہیونی محور کے درمیان تصادم کی شدت کے حالات میں، جس کے نتیجے میں خطے میں تعلقات کی نارملائزیشن کا عمل پھیلا ہے۔

اول: برائت: اعتقادی تصور اور تمدنی نقطہ نظر کے درمیان

برائت اسلام کے اعتقادی ڈھانچے میں مرکزی تصورات میں سے ہے کیونکہ اس کا تعلق توحید کے اعلان اور شرک، ظلم اور سرکشی سے دوری سے ہے۔ یہ تصور قرآن کی متعدد آیات میں بیان ہوا ہے جو ایمان کی راہ اور گمراہی کی راہ کے درمیان اعتقادی تمیز کی ضرورت پر زور دیتی ہیں، جیسا کہ اللہ کا یہ فرمان:

«اَعْلَانٌ مِّنَ اللہِ وَ رَسُوْلِہٖٓ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اَنَّ اللہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَ رَسُوْلُہٗ»

اور حضرت ابراہیم (ع) کا یہ قول:

«اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللہِ»

یہ ظاہر کرتا ہے کہ برائت دراصل ایک اعتقادی موقف ہے جس کا مقصد ایمانی شناخت کا تحفظ اور شرک اور فکری و عملی انحراف کے مقابلے میں توحید کے اصول کو مستحکم کرنا ہے۔

مسلم مفسرین نے برائت کے تصور کو "ولایت و برائت" کے نظام کا حصہ قرار دیا ہے جو مومن اور غیر مومن کے درمیان اعتقادی تعلقات کو منظم کرتا ہے۔ برائت امت کی شناخت اور اس کی دینی و تمدنی اقدار کے تحفظ میں کردار ادا کرتی ہے۔ علامہ طباطبائی کا ماننا ہے کہ قرآن میں برائت محض ظاہری تعلق منقطع کرنے کا نام نہیں، بلکہ ایک وجودی موقف ہے جو باطل کے رد اور اعتقادی و اخلاقی انحراف کے نظاموں سے دوری پر استوار ہے۔

لیکن عالم اسلام میں سیاسی اور تمدنی تبدیلیوں، خاص طور پر مغربی استعمار اور اس کے ساتھ آنے والے ثقافتی و سیاسی غلبے کے پھیلاؤ کے ساتھ، برائت کا تصور روایتی اعتقادی دائرے سے آگے بڑھ کر استعمال ہونے لگا اور آزادی، شناخت اور انحصار کے خلاف جدوجہد سے منسلک تمدنی گفتار کا حصہ بن گیا۔

ومن هنا، أصبحت البراءة إطارًا حضاريًا يحدد موقع الأمة في مواجهة الهيمنة السياسية والثقافية والاقتصادية، لأن الإسلام لا يقتصر على الجانب التعبدي فقط، بل يحمل مشروعًا حضاريًا يهدف إلى تحرير الإنسان من مختلف أشكال الاستعباد السياسي والثقافي، وهو ما يجعل مفاهيم مثل البراءة مرتبطة بقضايا التحرر والمقاومة وبناء الأمة الواعية.

كما ارتبط مفهوم البراءة في الفكر السياسي الإسلامي المعاصر بمفاهيم الاستكبار والاستضعاف، وهي المفاهيم التي أصبحت جزءًا من الخطاب السياسي المقاوم للهيمنة الغربية والصهيونية.

وفي هذا الإطار، يرى الإمام الخميني أن البراءة من المشركين تمثل موقفًا سياسيًا وأخلاقيًا يعبر عن رفض الأمة للخضوع لقوى الهيمنة والاستكبار، حيث ذكر: (أن البراءة ليست مجرد شعارات تُرفع، بل هي واجب شرعي وسياسي تعبّر من خلاله الأمة عن رفضها للطاغوت والهيمنة، وترسيخ لمبدأ رفض التبعية للمستكبرين، وأنّ البراءة من المشركين هي من واجبات الحجّ السياسية، وهي واجبة تمامًا كالصلاة).

كما يؤكد الإمام الشهيد الخامنئي أن البراءة في الحج تمثل صرخة الأمة الإسلامية في مواجهة قوى الاستكبار العالمي بقوله: (إنّ براءة المسلمين في الحجّ من جبهة الكفر والاستكبار، تمثّل صرخة الأمة في وجه العدو).

وبذلك تتحول البراءة إلى أداة لإعادة تشكيل الوعي الجمعي للأمة الإسلامية على أساس التوحيد والاستقلال الحضاري، فهي لا تقتصر على الجانب الرمزي أو الشعائري، بل ترتبط بإدراك طبيعة الصراع القائم في العالم وفهم آليات الهيمنة السياسية والثقافية والإعلامية.

كما أن مفهوم البراءة يرتبط بمقاومة الاختراق الثقافي الذي قد يؤدي إلى تفكيك الهوية الإسلامية وإضعاف الانتماء الحضاري للأمة، وهو ما يجعل الحفاظ على الهوية الثقافية جزءًا من معركة الوعي والاستقلال الحضاري.

غير أن انتقال مفهوم البراءة من المجال العقدي إلى المجال السياسي والحضاري يثير في الوقت نفسه عددًا من الإشكالات الفكرية، خاصة فيما يتعلق بإمكانية توظيفه بطريقة تؤدي إلى إنتاج خطاب صدامي أو إقصائي، ولذلك تبرز الحاجة إلى قراءة متوازنة للمفهوم، تُميز بين البراءة بوصفها مبدأً قرآنيًا يرفض الظلم والهيمنة، وبين بعض أشكال التوظيف السياسي التي قد تُخرج المفهوم من أبعاده الحضارية والإنسانية.

ثانيًا: الصراع الإقليمي وإعادة تفعيل مفهوم البراءة:

في ظل التحولات الجيوسياسية المتسارعة التي تشهدها منطقة الشرق الأوسط، عاد مفهوم البراءة من المشركين ليحضر بقوة داخل الخطاب السياسي-الديني المعاصر، خاصة مع تصاعد التوترات بين إيران والمحور الصهيو-أمريكي، حيث أُعيد توظيف المفهوم ضمن رؤية تربط بين العقيدة ومواجهة الهيمنة والاستكبار.

اس سلسلے میں مالک بن نبی نے اشارہ کیا کہ عالم اسلام کا مسئلہ صرف فوجی قبضہ نہیں ہے، بلکہ استعمار کو قبول کرنے کی تیاری ہے جو معاشروں کو ثقافتی اور تمدنی مداخلت کے لیے بے نقاب کرتی ہے۔

وہ کہتے ہیں: محکوم و غلام نہ بننے کے لیے ہمیں محکومیت سے آزاد ہونا ہوگا۔" اس نقطہ نظر سے برائت ایک تمدنی مرحلے میں تبدیل ہو گئی ہے جو سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی غلبے کے مقابلے میں امت کے مقام کا تعین کرتی ہے۔

اسی طرح شہید امام خامنہ ای اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حج میں برائت، عالمی استکبار کی قوتوں کے سامنے امت اسلامیہ کی آواز ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

(مسلمانوں کی حج میں کفر اور استکبار کے محاذ سے برائت، دشمن کے سامنے امت کی آواز ہے۔)

اس طرح، برائت کا تصور توحید اور تمدنی آزادی کی بنیاد پر امت اسلامیہ کے اجتماعی شعور کی تعمیر کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ تصور محض علامتی یا رسمی پہلوؤں تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق دنیا میں موجود تصادم کی نوعیت کو سمجھنے اور سیاسی، ثقافتی اور میڈیا کے غلبے کے طریقہ کار کو پہچاننے سے بھی ہے۔

نیز برائت کا تصور ثقافتی مداخلت کے مقابلے سے جڑا ہوا ہے؛ ایسی مداخلت جو اسلامی شناخت کے خاتمے اور امت کی تمدنی وابستگی کو کمزور کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے، ثقافتی شناخت کا تحفظ شعور کی جنگ اور تمدنی آزادی کا حصہ شمار ہوتا ہے۔

تاہم، برائت کے تصور کو اعتقادی دائرے سے سیاسی اور تمدنی میدان میں منتقل کرنا، بیک وقت متعدد فکری مسائل کو بھی جنم دیتا ہے؛ خاص طور پر اس بات کے بارے میں کہ کیا اسے اس انداز میں استعمال کرنا ممکن ہے جس سے تقابلی یا خارجی گفتار پیدا ہو۔ اس لیے، اس تصور پر ایک متوازن نظر کی ضرورت ہے جو برائت کو ظلم اور غلبے کی مخالفت میں ایک قرآنی اصول کے طور پر، اور اس کے بعض سیاسی استعمال کے درمیان فرق کرے جو اسے اس کے انسانی اور تمدنی پہلوؤں سے دور کر سکتے ہیں۔

دوم: علاقائی تنازعہ اور برائت کے تصور کی دوبارہ فعالی

مشرق وسطیٰ میں تیز رفتار جغرافیائی سیاسی تبدیلیوں کے زیرِ سایہ، مشرکین سے برائت کا تصور ایک بار پھر زور و شور سے عصری سیاسی-مذہبی گفتار میں موجود رہا ہے؛ خاص طور پر ایران اور صہیونی-امریکی محور کے درمیان کشیدگیوں میں اضافے کے ساتھ، جہاں اس تصور کو اس نقطہ نظر کے تحت استعمال کیا گیا جو عقیدے اور غلبے و استکبار کے مقابلے کے درمیان رابطہ قائم کرتا ہے۔

یہ عصری استعمال دین و سیاست کے تعلقات کی نئی پڑھت کے ساتھ ہوا ہے؛ اس طرح کہ برائت، روایتی اعتقادی جدائی سے آگے بڑھ کر، بین الاقوامی نظام میں غلبے کی شکلوں کے رد کے طور پر سمجھی جاتی ہے۔

یہ تصور وسیع تر تصورات کے ایک سیٹ سے منسلک کر دیا گیا ہے، جس میں عالمی استکبار اور استضعاف شامل ہیں؛ یہ وہ تصورات ہیں جو خاص طور پر ایران کے اسلامی انقلاب کے ادب میں عصری اسلامی سیاسی گفتار کا ایک اہم حصہ بن چکے ہیں۔

شہید علی خامنہ ای نے حج کے بارے میں اپنے پیغامات میں زور دیا ہے:

(مشرکین سے برائت محض ایک تاریخی نعرہ یا موسمی رسم نہیں ہے، بلکہ استکبار اور غلبے کی قوتوں کے سامنے امت اسلامیہ کی طرف سے ایک زندہ موقف ہے جو اقوام کے وسائل کو کنٹرول کرنے اور ان کی ارادوں کو کمزور کرنے کی کوشش میں ہیں۔)

یہ نقطہ نظر قرآنی تصور کو عصری سیاسی مسائل سے جوڑنے کی کوشش کو ظاہر کرتا ہے۔

اس نقطہ نظر کی بنا پر، علاقائی تنازعہ کو اس طرح سے نئے سرے سے متعین کیا جاتا ہے کہ یہ براہِ راست فوجی تصادم کے چوکھٹے سے آگے بڑھ کر اقدار، مرجعیتوں اور تمدنی شناخت کے میدان میں کھنچ جاتا ہے، اور سیاسی و ثقافتی غلبہ استکبار کے ایک جامع ڈھانچے کا حصہ سمجھا جاتا ہے جو اپنا نمونہ اسلامی معاشروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

برائت کے تصور کا یہ استعمال اسلامی معاشروں میں اجتماعی شعور کی تعمیر میں بھی کردار ادا کرتا رہا ہے، کیونکہ اس نے برائت کو ایک محض رسمی تصور سے بدل کر ایک حوالہ جاتی مرحلے میں تبدیل کر دیا ہے جو علاقائی اور بین الاقوامی مسائل، خاص طور پر فلسطین کے مسئلے، تعلقات کی نارملائزیشن کے مقابلے اور بیرونی غلبے جیسے موضوعات پر موقف کی راہنمائی کرتا ہے۔

دوسری طرف، عصر حاضر کے علاقائی تنازعات کے حالات میں برائت کے تصور کی دوبارہ فعالی، سیاسی میدان میں مذہبی تصورات کے علامتی پہلو کی موجودگی کو ظاہر کرتی ہے، کیونکہ برائت کو آزادی کے اظہا ر اور غالب طاقتوں کے سامنے تسلیم کرنے کے رد کے تصور کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

تاہم، یہ نقطہ نظر بیک وقت علمی مباحث کو بھی جنم دیتا ہے کہ سیاست کے میدان میں اعتقادی تصورات کو استعمال کرنے کی حدود کیا ہیں اور ان کا قدرتی مرحلے سے ہٹ کر متحرک حالات اور تصادم کی تبدیلیوں پر منحصر نظریاتی محرک کے آلات میں تبدیل ہونے کا امکان۔

اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ عصر حاضر کے علاقائی تنازعات کے سیاق و سباق میں برائت کے تصور کی دوبارہ فعالی، محض ایک تاریخی اور قرآنی تصور کا احیاء نہیں ہے، بلکہ یہ اس تصور کی ایک عصری سیاسی گفتار کے طور پر معنوی تعمیر کا عمل ہے جو حقیقت کی تفسیر کرنے، شعور کی ہدایت کرنے، اور بین الاقوامی تصادم کے نقشے میں امت اسلامیہ کے مقام کی نئی تعریف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سوم: برائت اور عصری سیاسی شعور کی تعمیر

عصری اسلامی فکر میں برائت کا تصور اپنی روایتی اعتقادی حدود سے آگے بڑھ کر اسلامی معاشروں میں سیاسی اور سماجی شعور کی تشکیل کے عمل میں داخل ہو گیا ہے۔

یہ تصور اب محض ایک عبادی یا رسمی موقف کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا، بلکہ شناخت، آزادی اور انصاف کے مسائل کے بارے میں اجتماعی ادراک کی تشکیل میں ایک علامتی مرحلے کے طور پر کردار ادا کرتا ہے۔

عصری اسلامی گفتار میں برائت کے تصور کے قائم رہنے نے بعض اسلامی معاشروں میں ایک نئی قسم کے سیاسی شعور کی تشکیل میں کردار ادا کیا ہے۔ ایسا شعور جو دینی وابستگی اور شناخت، آزادی اور قبضے و غلبے کے خلاف مزاحمت جیسے موضوعات کے درمیان ربط پر استوار ہے۔

اسی سے، برائت ایک علامتی عنصر میں تبدیل ہو گیا ہے جو سیاسی ادراک کی راہنمائی اور علاقائی و بین الاقوامی مسائل کے بارے میں موقف کی تعمیر میں کردار ادا کرتا ہے۔

یہ تصور اسلامی معاشروں کی سیاسی شناخت کی بازسازی میں بھی کردار ادا کرتا ہے، دینی وابستگی کو امت کے بڑے مسائل، جیسے فلسطین کا مسئلہ، قبضے کی مخالفت، تعلقات کی معمول کاری کا مقابلہ، اور تمدنی آزادی کے دفاع سے جوڑ کر۔

اس طرح، برائت ایک متحرک کرنے والے عنصر میں تبدیل ہو جاتی ہے جو امت کے مسائل کے بارے میں اجتماعی ذمہ داری کے احساس کو مضبوط کرتی ہے اور دینی تصورات کو عوامی میدان میں ایک فعال موجودگی عطا کرتی ہے۔

دوسری طرف، عصر حاضر کی میڈیا اور ڈیجیٹل تبدیلیوں نے اس گفتار کو عوامی فضا میں پھیلانے میں مدد کی ہے اور استکبار، مزاحمت اور برائت جیسے تصورات کو بعض اسلامی معاشروں میں رائج سیاسی زبان کا حصہ بنا دیا ہے۔

اس کے نتیجے میں سیاسی شعور کی نئی شکلیں سامنے آئی ہیں جو دشمن کی نئی تعریف اور مزاحمت کے تصور کو فوجی جہت سے بڑھا کر ثقافتی اور میڈیا کے جہتوں تک پھیلانے کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔

تاہم، سیاسی میدان میں برائت کے تصور کی بڑھتی ہوئی موجودگی، خاص طور پر ثابت اعتقادی اصولوں اور سیاسی تغیرات کے درمیان تعلقات کی حدود کے بارے میں، بیک وقت متعدد فکری اور طریقہ کار کے مسائل بھی جنم دیتی ہے۔ کیونکہ جب یہ تصور متغیر حالات پر منحصر سیاسی تحرک کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے، تو اس کے ایک نظریاتی فعل میں منحصر ہونے کے بارے میں خدشات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے جس کے نتیجے میں اس کے وسیع تر قرآنی اور اخلاقی پہلو کمزور ہو سکتے ہیں۔

اس لیے، جب ان تصورات کو سیاست کے میدان میں استعمال کیا جائے تو دینی تصورات کے اخلاقی اور انسانی پہلو کو برقرار رکھنا اس وقت اہم ہو جاتا ہے، جب یہ تصورات محض تنازعہ یا نظریاتی تقسیم کے اوزار نہ بن جائیں۔ یہ ضرورت ان تصورات کو ان کے وسیع تر اقداری اور تمدنی اہداف کی طرف لوٹانے کا تقاضا کرتی ہے۔

اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ عصری اسلامی سیاسی فکر میں برائت کا تصور، عقیدے کو آزادی، آزادی اور غلبے کے مقابلے کے مسائل سے جوڑنے کے ذریعے، امت کے سیاسی شعور کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ تاہم، اس تصور کی افادیت کا انحصار اعتقادی ثابت جہت اور سیاسی حقیقت کی متغیر ضروریات کے درمیان توازن برقرار رکھنے پر ہے۔

چہارم: برائت کے تصور کی طرف ایک متوازن نظر

عصری اسلامی گفتار میں برائت کے تصور کی موجودگی کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تصور اب اپنی روایتی اعتقادی مرحلے تک محدود نہیں رہا، بلکہ یہ عالم اسلام میں شناخت، سیاسی شعور اور تمدنی کشمکش سے متعلق مباحث کا حصہ بن گیا ہے۔

لیکن سیاست کے میدان میں برائت کے تصور کی یہ وسیع موجودگی، ایک متوازن نظر پیدا کرنے کی ضرورت پیش کرتی ہے۔ ایسی نظر جو اس کے ثابت قرآنی جہتوں اور اس کے متغیر سیاسی استعمالات کے درمیان فرق کرے۔

برائت اپنی اصل قرآنی شکل میں توحید کے اصول اور ظلم، سرکشی اور انحراف کی مخالفت سے جڑی ہوئی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

«قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ»

یہ آیت برائت کو اعتقادی تمیز اور توحیدی اقدار کی پابندی سے جوڑتی ہے، نہ کہ محض عارضی سیاسی کشمکش سے۔ اور یہی چیز اسے تاریخی حالات سے ماوراء ایک اخلاقی اور تمدنی جہت عطا کرتی ہے۔

روح اللہ خمینی نے بھی حج سے متعلق اپنی گفتگو میں زور دیا ہے کہ:

(مشرکین سے برائت، ظلم اور استکبار کے مقابلے میں ایک موقف ہے، نہ کہ محض ایک رسمی عمل یا عارضی سیاسی نعرہ۔)

ان کا ماننا تھا کہ امت اسلامیہ اپنی آزادی اور شناخت اس وقت تک برقرار نہیں رکھ سکتی جب تک اس کا عالمی غلبے اور استکبار کے مقابلے میں باخبر موقف نہ ہو۔

اسی طرح شہید علی خامنہ ای نے اشارہ کیا ہے کہ برائت کا مطلب دائمی جھڑپ یا تمدنی تنہائی کی دعوت نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد امت کی آزادی کے تحفظ اور سیاسی و ثقافتی غلبے کے رد کے لیے اسلامی شعور پیدا کرنا ہے۔

وہ زور دیتے ہیں کہ برائت کا جوہر امت کے وقار کا دفاع اور انحصار کی مخالفت ہے، جبکہ ساتھ ہی اسلام پر زور دی گئی اخلاقی اور انسانی اقدار کو بھی برقرار رکھا جائے۔

اس لیے، برائت کے تصور پر متوازن نظر کے لیے ثابت اور متغیر امور کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے۔

ثابت حصہ: ظلم، استکبار اور اعتقادی انحراف کی مخالفت۔
اور متغیر حصہ: زمانے کے حالات اور تبدیلیوں کے مطابق اس تصور کو سیاسی میدان میں استعمال کرنے کے طریقے۔
نیز برائت کو سیاسی شعور سے جوڑنا تمدنی انقطاع یا اسلامی معاشروں میں اختلاف پیدا کرنے کا بہانہ نہیں بننا چاہیے، کیونکہ یہ تصور دراصل دوسروں کو ان کی ذات کی وجہ سے رد کرنے پر استوار نہیں ہے، بلکہ ظلم، زیادتی اور غلبے کے رد پر زور دیتا ہے۔
اس لیے، برائت اپنے قرآنی مفہوم میں، استبداد اور سرکشی کے مقابلے میں ایک اخلاقی موقف ہے، نہ کہ دائمی جھڑپ یا دوسروں کے خاتمے کی دعوت۔
اسی سے، اس تصور کی اس نقطہ نظر کے تحت پڑھت ضروری معلوم ہوتی ہے جو اعتقادی، اخلاقی اور تمدنی جہتوں کو اکٹھا کرے، تاکہ عصری اسلامی شعور کی تشکیل میں اس کے کردار کو سمجھا جا سکے، اسے عارضی قطب بندیوں پر منحصر ایک نظریاتی آلے میں تبدیل کیے بغیر۔
یہ تحقیق ظاہر کرتی ہے کہ مشرکین سے برائت کا تصور محض ایک اعتقادی تصور نہیں ہے جس کا تعلق توحید اور شرک سے دوری سے ہے، بلکہ یہ عصری اسلامی فکر میں دینی اور سیاسی شعور کی تشکیل میں اہم تصورات میں سے ایک شمار ہوتا ہے۔ خاص طور پر تیز رفتار علاقائی تبدیلیوں اور ایران اور امریکی-صہیونی محور کے درمیان تنازعات کی شدت کے حالات میں۔
اس تحقیق نے یہ بھی ظاہر کیا کہ برائت کا تصور بعض عصری گفتاروں میں اعتقادی تمیز کی حد سے آگے بڑھ کر دشمن کی نئی تعریف، اجتماعی شعور کی ساخت اور بین الاقوامی نظام میں امت اسلامیہ کے مقام کے تعین کے میدان میں داخل ہو گیا ہے۔
تحقیق مزید بیان کرتی ہے کہ جغرافیائی سیاسی تبدیلیوں اور صہیونی حکومت کے ساتھ تعلقات کی معمول کاری کے عمل نے برائت کی گفتار کو سیاسی اور ثقافتی شعبوں میں مضبوط کرنے میں مدد دی ہے۔
اس کے برعکس، تحقیق ظاہر کرتی ہے کہ برائت کے تصور کا سیاسی استعمال فکری اور طریقہ کار کے چیلنجز پیدا کر سکتا ہے۔ خاص طور پر اگر یہ تصور محض نظریاتی چوکھٹوں میں محدود کر دیا جائے اور اپنے قرآنی، اخلاقی اور تمدنی پہلوؤں سے دور ہو جائے۔
دیگر نتائج:
1. مشرکین سے برائت کا تصور گہری قرآنی اور اعتقادی جڑیں رکھتا ہے جو توحید اور ایمانی شناخت سے جڑی ہیں۔
2. عصری اسلامی سیاسی فکر نے اس تصور کو تمدنی اور سیاسی جہتوں میں نئے سرے سے متعین کیا ہے۔
3. علاقائی تنازعات نے اسلامی سیاسی شعور میں برائت کے تصور کو دوبارہ فعال کرنے میں مدد دی ہے۔
4. صہیونی حکومت کے ساتھ تعلقات کی معمول کاری کے عمل نے بعض فکری تحریکوں میں برائت کی گفتار کے پھیلاؤ میں مدد دی ہے۔
5. برائت کے تصور نے سیاسی اور سماجی شعور کی تشکیل میں اہم کردار پایا ہے۔
6. اس کا سیاسی استعمال، بعض اوقات، اس کے نظریاتی یا تقابلی جہتوں میں تقلیل کا باعث بن سکتا ہے۔
تجاویز:
1. قرآن، تمدنی تجزیہ اور عصری سیاست کی بنیاد پر برائت کے تصور کا علمی جائزہ۔
2. عالم اسلام میں مذہبی تصورات اور سیاسی شعور کی تبدیلیوں سے متعلق تحقیق کو مضبوط کرنا۔
3. برائت کے تصور کے اخلاقی اور انسانی پہلو پر زور دینا۔
4. دینی شناخت اور تمدنی تعامل کے درمیان ایک متوازن گفتار قائم کرنا۔
5. سیاسی گفتاروں میں مذہبی تصورات کے استعمال کے بارے میں تقابلی تحقیقات کو وسعت دینا۔
6. برائت کے تصور کے مطالعے میں ثابت اعتقادی عناصر اور سیاسی تغیرات کے درمیان فرق کرنا۔

قرآن کریم کی سورہ توبہ (آیت ۱) کا آسان اردو ترجمہ

ڈاکٹر انعام عیسیٰ

سیدہ زینب ویلفیئر سوسائٹی ثقافتی و میڈیا کی سرگرمیوں کا شعبہ

"اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اُن مشرکوں سے بیزاری کا اعلان ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا۔"

یہ اعلان شرک سے بیزاری اور مشرکوں کے ساتھ رہنے سہنے کے خلاف ہے۔ یہ اسلامی اعلانِ عام ہے جسے حضرت علیؑ نے حج اکبر کے دن (عید قرباں کے دن) لوگوں کے اجتماع میں پڑھ کر سنایا تھا۔

اس اعلان کا مطلب ہے: مشرکوں سے بیزاری، ان کے ساتھ رہنے اور ان کا ساتھ دینے کے خلاف، اور زمین کو ان لوگوں سے پاک کرنے کی کوشش، بشرطیکہ وہ توبہ نہ کریں۔ یہی خیر اور بھلائی کا حقیقی راستہ ہے۔ اس سے منہ موڑنے سے مشرک ہلاکت میں چلے جائیں گے، کیونکہ ان کا سامنا اللہ کی قدرت سے ہوگا جو اسلامی معاشرے اور اس کی قیادت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، اور وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مشرکوں نے مسلمانوں کے ساتھ کس وحشیانہ اور بے لگام رویے کا مظاہرہ کیا۔ مشرک کسی اخلاقی اصول یا انسانی فطرت کی پروا نہیں کرتے۔ وہ اللہ کی آیات کو حقیر سمجھتے ہیں اور انہیں تھوڑی قیمت پر بیچ دیتے ہیں۔ جب وہ مسلمانوں پر قابو پا لیتے ہیں تو تمام اقدار کو پامال کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ توبہ کی آیت ۸ میں ہے:

"تم کیا سمجھتے ہو کہ مشرک اپنے عہد کا لحاظ رکھیں گے؟ حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آ جائیں تو نہ رشتہ داری کا خیال کریں گے اور نہ کسی معاہدے کی ذمہ داری کا۔ وہ تمہیں اپنی زبانوں سے تو راضی کر لیں گے مگر ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر فاسق (نافرمان) ہیں۔"

مشرک ہر جرم کر گزرتے ہیں، نہ کسی واضح اخلاقی اصول پر قائم رہتے ہیں، نہ کسی معاہدے کی صریح شرط کو مانتے ہیں، اور ہر وہ کام کرتے ہیں جسے انسانی فطرت برا سمجھتی ہے۔

مشرکوں نے انسانی فطرت کے راستے سے بھٹک کر اللہ کی آیات کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا اور پست زندگی کو اختیار کیا۔ پھر وہ اللہ کے راستے پر چلنے والوں کے مقابلے پر کھڑے ہو گئے اور فساد، گمراہی اور دوسروں کے حقوق پر تجاوز پر مبنی طریقہ کار کو رواج دیا۔

اللہ ہی اس سچے دین کا سرچشمہ ہے، اسی نے اپنے پیغمبر کو یہ دین دے کر بھیجا تاکہ انسانیت کو ترقی اور حقیقی کامیابی کے راستے پر لے جائے۔ یہ دین بالآخر انسان کی پوری زندگی پر سایہ فگن ہو گا اور پوری دنیا میں قرآنی انصاف اور مساوات پھیلا دے گا، دلوں کو اپنی طرف کھینچ لے گا اور انسانوں کے فطری دین کی خواہش کو پورا کرے گا۔

یہ اللہ کا وہ وعدہ ہے جو مشرکوں کی تمام سازشوں کے باوجود پورا ہو کر رہے گا، اور یہ وہی چیز ہے جس کا انسانیت بے صبری سے انتظار کر رہی ہے۔ یہ وعدہ انسانوں میں دین کی سربلندی کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کے خلاف مسلسل جدوجہد کا مستقل عزم پیدا کرتا ہے۔

وحدت و اتحاد امت اسلامی، شہید رہبرِ امت کا پائیدار پیغام

ڈاکٹر ہارون عزیز (جنوبی افریقہ)

اس سال کا حج اس بات کا مشاہدہ کرے گا کہ شہید رہبرِ امت کو عالمی استکبار اور سلطنتِ ظلم کے نظام کے ہاتھوں خون میں غلطاں کیا گیا۔ وہ شہید جو تین دہائیوں سے زیادہ عرصہ حجاج کرام کے لیے وحدت، قوت اور عظمتِ اسلام اور امتِ مسلمہ کی شناخت کے پیغامات دیتے رہے، مگر خود اس کروڑوں کی جمعیت میں شامل ہونے کا موقع نہ پا سکے۔

ان کی گذشتہ سال کی آخری گفتگو ہمیشہ سننے کے قابل، دلوں میں اترنے والی اور زندہ و جاوید ہے۔ انہوں نے حج کو اسلام کے مکتب فکر کے اہم ترین ارکان میں سے ایک قرار دیتے ہوئے جو انسانی معاملات اور معاشرے کی تدبیر و انتظام کے لیے ہے، فرمایا:

"یہ فریضۂ حج ایک ایسا فریضہ ہے،شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ واحد فریضہ ہے جس کی ظاہری شکل و صورت، اس کا ڈھانچہ، سو فیصد سیاسی ہے۔ لوگوں کو ایک ہی جگہ، ایک ہی وقت میں، ہر سال — جو بھی استطاعت رکھتا ہو — ایک ساتھ جمع کرنا، یہ کیا ہے؟ لوگوں کا اجتماع، لوگوں کا ایک دوسرے کے گرد جمع ہونا، یہ عمل اپنے آپ میں ایک سیاسی نوعیت رکھتا ہے۔ یعنی حج کی نوعیت، بعض لوگوں کے خدشات اور مخالفت کے باوجود سیاسی ہے۔ اس کی شکل سیاسی ہے، اس کا ڈھانچہ سیاسی ہے۔"

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس عظیم اور عالمی پروگرام کا مواد، ان کے بقول، سو فیصد عبادتی اور روحانی ہے جو بصیرت کے درجے اور انسانی کمال کی بلندی کا سبب بنتا ہے۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ حج میں جو اعمال عبادتی مواد کے ساتھ انجام پاتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی انسانی مسئلے اور امر کو زندہ کرنے کی علامت ہے۔
مثال کے طور پر طواف، توحیدی مرکزیت کے مدار میں گردش کرنا ہے اور بس، یعنی زندگی کے تمام معاملات توحید کے مدار پر ہونے چاہئیں: توحیدی زندگی، توحیدی حکومت، توحیدی معیشت، اسلامی معاشرے میں توحیدی رویہ، توحیدی خاندان، اور زندگی کے تمام شعبے توحید اور اتحاد کے مدار پر ...

شہید امام کے بقول:

"امتِ اسلامی کے لیے اتحاد سے بڑھ کر کوئی فائدہ نہیں۔ اگر امتِ اسلامی باہم متحد ہوں، ایک دوسرے کا ہاتھ تھامیں، ہم آہنگی کریں، ایک دوسرے کی توانائی کو بڑھائیں، تو غزہ کا واقعہ نہیں ہوگا، فلسطین کا واقعہ نہیں ہوگا، یمن اس طرح دباؤ میں نہیں آئے گا۔ جب ہم ایک دوسرے سے جدا ہیں تو استعماری نظام — امریکہ ایک طرف سے، صہیونی حکومت ایک طرد سے، بعض دوسرے یورپی اور غیر یورپی ممالک ایک طرف سے — اپنے مفادات اور اپنی خواہشات کو قوموں کے مفادات پر غالب کردیں گے۔"

سب سے شیریں اور جاذب تر بات یہ ہے کہ شہید امام امت حج کے روحانی ماحول کو ایسی فضا تصور کرتے ہیں جو امت اور امتِ اسلامیہ کے مسائل حل کر سکتی ہے اور آیتِ کریمہ "لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ" (تا کہ وہ اپنے فائدوں کو حاصل کریں) کی عملی مثال بن سکتی ہے۔

امید ہے کہ اس بلند قرآنی مفاد کا تحقق ہو اور اسلام عالمی کفر پر فتح پائے

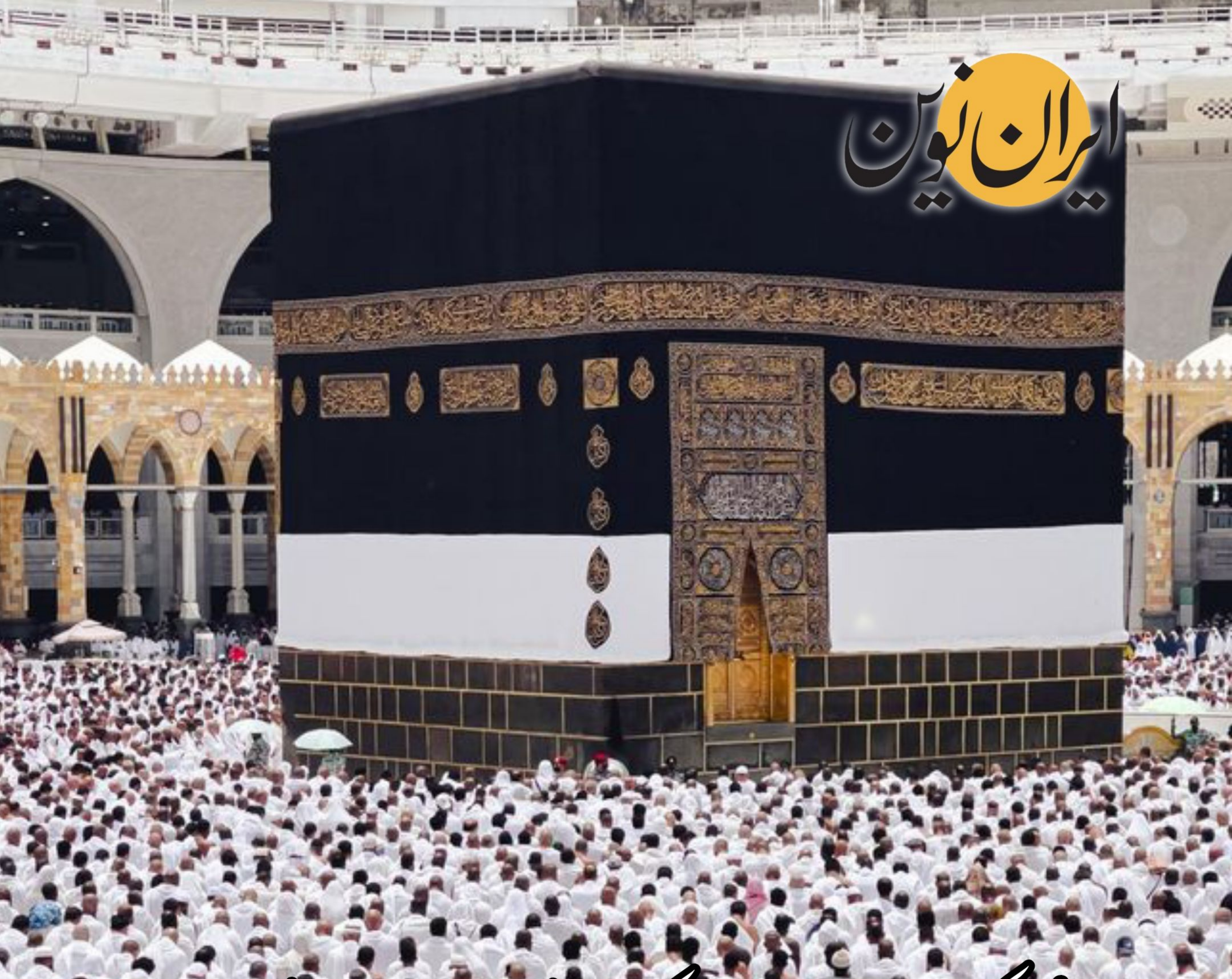

حقائق کو موثر انداز میں بیان کرنے کا جہاد - حج بطور اطاعتِ تحول آفرین برائے بیداری امت

ڈاکٹر محمد عظمی عبدالحمید

ملائیشین مذہبی تنظیموں کی مشاورتی کونسل کے سربراہ

جنگ رمضان اور تیسری مسلط کردہ جنگ کے بعد، عالم اسلام نے ایک طرف بے پناہ مصائب دیکھے تو دوسری طرف ایک نادر مثال ہم آہنگی کا بھی تجربہ کیا۔ ایران کی عوام اور حکومت ان تمام اسلامی ممالک کی عوام اور حکومتوں کے تہہ دل سے شکرگزار ہیں جنہوں نے ان مشکل دنوں میں مظلوم ایرانی عوام کا ساتھ دیا۔ ان کا سیاسی تعاون، انسانی ہمدردی اور اخلاقی بہادری، ظلم و جارحیت اور استعمار کے خلاف زندہ روحِ امت کی عکاس تھی۔

شہید رہبر ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ موسمِ حج کو صرف عبادات تک محدود نہیں رہنا چاہیے، بلکہ اسے فلسطین پر قابض اسرائیل کے مظالم اور جارحیت کے خلاف امتِ مسلمہ کی وحدت کو مضبوط کرنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ حج مسلمانوں کو ہر نسل، زبان اور مسلک سے ہٹ کر توحید کے پرچم تلے جمع کرتا ہے اور امت کو یاد دلاتا ہے کہ تفرقہ صرف دشمنوں کو طاقت دیتا ہے۔

انھوں نے بارہا فرقہ وارانہ مغالطوں سے خبردار کیا اور مسلمانوں کو شیعہ-سنی، عرب-فارس کی دراڑوں سے بچنے کی تلقین کی۔ ان کے نزدیک حج اسلامی اخوت کا عظیم ترین مظہر ہے، جہاں تمام مومنین قومیت، قوم پرستی اور مذہبی مسابقت سے بالاتر ہوکر خدا کے حضور ایک ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔

ایران نے ہمسایہ اسلامی ممالک کی خودمختاری، ان کی عوام اور حکومتوں کے لیے اپنے احترام کا بھی اعادہ کیا ہے۔ ساتھ ہی، ایران بین الاقوامی قوانین کے تحت اپنا جائز حق دفاع محفوظ رکھتا ہے، جس میں امریکی فوجی اڈوں اور ان معاندانہ عملیاتی نیٹ ورکس کے خلاف کارروائی بھی شامل ہے جو ایران کی سلامتی اور علاقائی استحکام کو خطرہ لاحق کرتے ہیں۔

شہید رہبر بارہا زور دے کر کہتے تھے کہ شیعہ ایران نے ہمیشہ سنی فلسطین کی حمایت کی ہے، اور یہ حقیقت ثابت کر دی کہ مسئلہ فلسطین فرقہ وارانہ شناختوں سے بالاتر ہے۔ غزہ کے خون نے مسلمانوں کو مذہبی اختلافات کے باوجود متحد کر دیا ہے، اور جغرافیائی سیاسی مفادات کی طرف سے مسلط کردہ مصنوعی شکافوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔

نیا رہبر بھی اسی راستے پر گامزن ہے، اور ہمسایہ ممالک کو استعماری طاقتوں کی طرف سے مسلط کردہ ذلت، انحصار اور استحصال سے نکلنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس نے پاکستان، ترکی اور عمان کے علاقائی مذاکرات، انسانی امداد اور مسلمانوں کے وقار کے دفاع میں اصولی کردار کو بھی سراہا ہے۔

ایران ہمیشہ عالمی مسلمانوں کے ساتھ برادری، انکساری اور ہمدردی پر زور دیتا ہے۔ اس کا پیغام یہ ہے کہ اسلامی تہذیب تکبر اور تسلط سے نہیں، بلکہ تعاون، باہمی احترام اور ظلم کے خلاف مشترکہ مزاحمت سے بحال ہوگی۔

حج کو تخلیقی معنویت اور توحید کے مرکز کے طور پر بھی پیش کیا جاتا ہے جو جارحانہ لبرل سیکولرازم کے اخلاقی خلاء کے مقابل کھڑا ہے۔ حج نظم و ضبط، ایثار، عدل اور الہٰی ہدایت پر مبنی اجتماعی شعور کی علامت ہے۔ ساتھ ہی، ایران اسلام کی شدت پسند اور تکفیری قراءات کو مسترد کرتا ہے اور اس کے برعکس دین کی ایک معتدل اور تہذیبی تفہیم کو فروغ دیتا ہے۔

لبنان کی حمایت بھی "گریٹر اسرائیل" کے منصوبے کے خلاف خطے کے دفاع کے تناظر میں تعبیر کی جاتی ہے۔ لبنان کی مزاحمتی قوت کو وسیع تر عالمِ اسلام کی خودمختاری اور عزت کے تحفظ کے لیے ایک ڈھال تصور کیا جاتا ہے۔

ابراہیمی توحید کو نام نہاد "ابراہیم معاہدے" کے سیاسی منصوبے سے الگ سمجھا جانا چاہیے - یہ منصوبہ بہت سے لوگوں کے نزدیک قبضے کو جائز قرار دیتا ہے، نہ کہ انصاف کی راہ پر ایک قدم۔ حقیقی ابراہیمی ایمان سرکشی کے خلاف مزاحمت اور طاقت، لالچ اور فساد کے بتوں کو توڑنے کی علامت ہے۔

میناب اسکول کی بچیوں اور غزہ کے بچوں کی اذیت اس بات کی علامت ہے کہ عالمی جبر اور فوجی تسلط کے سامنے مسلمانوں کے تفرقہ کی کتنی بھاری قیمت دینی ہوتی ہے۔ لہٰذا، موجودہ دور میں ابراہیمی بت شکنی کا مطلب فساد، استحصال اور اخلاقی زوال کے جدید نظاموں کا مقابلہ کرنا ہے جو انسانی وقار کو تباہ کر رہے ہیں۔

ایران آبنائے ہرمز میں اپنی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے اپنے خودمختار حق پر بھی زور دیتا ہے، ایک ایسے قانونی اور منصفانہ فریم ورک میں جو ان ممالک کے لیے ہو جو ایرانی عوام سے دشمنی نہیں رکھتے۔

اور بالآخر، ایران کے رہبر کی شہادت ایک المیے سے بہادری کی داستان میں بدل گئی، کیونکہ ایرانی قوم اپنی طاقت عاشورہ کی اس روایت سے حاصل کرتی ہے جو اس کی تہذیبی شناخت کی گہرائیوں میں ایثار، عزت اور مزاحمت کی جڑیں رکھتی ہے۔

مشرکین سے بیزاری، قول سے فعل تک: حج، غدیر اور مقاومت کے توشے میں

ڈاکٹر محمد حسن شجاعی فرد
سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کی یونیورسٹی کے پروفیسر
اور محقق تاریخ اسلام

چند سال پہلے جب میں حج کے سفر پر تھا، تو مکہ میں جامعہ ام القریٰ میں تاریخ کے ایک پروفیسر سے ملاقات ہوئی۔ ان کی تجویز پر ہم نے یونیورسٹی سے باہر (ان کے گھر پر، ان کی اہلیہ کے ہمراہ جو خود بھی تاریخ کی پروفیسر تھیں) ایک موضوع پر گفتگو کی جو تقریباً دس روز جاری رہی۔ ہماری گفتگو کا آغاز شیعہ اور سنی کے اختلاف سے ہوا۔ جب ہم غدیر کے مسئلے پر پہنچے، جو رسول اللہ (ص) کے بعد حضرت علی (ع) کی خلافت کے لیے واضح ترین اقدام ہے، تو گفتگو طویل ہوگئی۔ پہلے ہم نے غدیر کے مسئلے کا تاریخی پہلو سے جائزہ لیا اور اصل واقعے تک پہنچنے کے لیے اہل سنت کی کتابوں اور حوالہ جات کا مطالعہ کیا۔ چند جلسوں کے بعد یہ نتیجہ نکلا کہ اہل سنت کی کتب کے مطابق واقعہ غدیر پیش آیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم (ص) نے حجۃ الوداع کے سفر سے واپسی پر دسویں هجری میں تمام حاجیوں کو غدیر خم میں جمع کر کے اہم پیغام مسلمانوں کو دیا۔

مختلف معتبر اہل سنت کتب کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ اہم پیغام وہ نہیں ہو سکتا جو اہل سنت اپنی روایات میں کہتے ہیں کہ یہ صرف علی (ع) سے محبت کی وصیت تھی۔

جامعہ ام القریٰ کے یہ استاد تاریخ جو منصف، صاحب علم اور حقیقت جو تھے نے عقلی اور قرآنی بحثوں کے بعد اس بات کی تصدیق کی کہ غدیر میں نبی کریم (ص) کا اہم پیغام امت کو اپنے بعد حضرت علی (ع) کی خلافت کے بارے میں تھا۔ اس گفتگو نے مجھے موقع فراہم کیا کہ میں "غدیر جیسا کہ تھا" کے عنوان سے اہل سنت کے مصادر سے ایک کتاب لکھوں (جو زیر اشاعت ہے)۔

غدیر کی بحث ختم ہونے کے بعد، یونیورسٹی کے استاد نے مجھ سے کہا کہ ایک یونیورسٹی پروفیسر (انجینئرنگ کے شعبے میں، جس نے اپنی اعلیٰ تعلیم انگلستان میں حاصل کی ہے) اور ایک شیعہ جو علی (ع) کا پیروکار ہے (وہ علی جنہیں غدیر میں نبی کے جانشین کے طور پر پیش کیا گیا) کی حیثیت سے، میں انہیں بتاؤں کہ غدیری فکر سے عملی طور پر کیا اثر لیا ہے جو اہل سنت کے نقطہ نظر سے مختلف ہے۔

جواب میں میں نے کہا کہ میری تحقیقات انجینئرنگ کے طریقے پر ہیں، نہ کہ علوم انسانی کے۔ لہٰذا ہر موضوع پر تحقیق کا نتیجہ، بشمول تاریخ اسلام، نظریاتی اور تجرباتی طریقے سے ثابت ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ایک انجینئر کے پاس جو تاریخی معلومات ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ نظریاتی طور پر آپ کے لیے غدیر کے پیروکاروں کی حقانیت ثابت ہو چکی ہے، لیکن تجرباتی طور پر آپ نے کیا قابلِ پیش کش کامیابی حاصل کی ہے جس نے آپ کو اس مکتب پر قائم رہنے پر قانع کیا ہے؟

میں نے جواب میں کہا: آپ کے خیال میں قرآن کی نظر میں اسلامی اصول و مبانی کیا ہیں؟

انہوں نے تفصیل سے بتایا، جسے ہم مرکزی طور پر یوں خلاصہ کر سکتے ہیں:

1. خدا اور مابعد الطبیعیات پر ایمان 2. تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء اور قرآن کے بھیجنے پر ایمان 3. معاد پر ایمان 4. اللہ کی اطاعت و عبادت (نماز، روزہ، زکوۃ، وغیرہ) 5. مسلمانوں کے درمیان تفریق نہ کرنا 6. تقویٰ ہی اللہ کے نزدیک انسانوں کی برتری کا معیار 7. غریبوں اور محتاجوں کی مدد، صدقہ و خیرات

میں نے کہا: بس؟ انہوں نے کہا: کلیات یہی تھیں۔

میں نے کہا: لیکن بہت کچھ باقی ہے۔ یہ مسلمان ہونے کے کم لاگت والے پہلو ہیں۔ انہوں نے کہا: آپ زیادہ لاگت والے بتائیں۔ میں نے کہا: اگر آپ اجازت دیں تو پہلے یہ آیات جو میں نے منتخب کی ہیں دیکھ لیں، پھر زیادہ لاگت والی کی طرف بڑھیں گے۔

انہوں نے کہا: دیکھتے ہیں:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيداً ﴿28﴾ فتح

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ﴿29﴾ فتح

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُواْ بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُواْ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿10﴾ حجرات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُواْ خَيْراً مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَى أَن يَكُنَّ خَيْراً مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُواْ أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُواْ بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِکَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿11﴾ حجرات

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُواْ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿39﴾ حج

الَّذِينَ أُخْرِجُواْ مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُواْ رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اس ْمُ اللَّهِ كَثِيراً وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿40﴾ حج

الَّذِينَ آمَنُواْ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُواْ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُواْ أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفاً ﴿76﴾ نساء

وَجَاهِدُواْ فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ﴿78﴾ حج

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُواْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُواْ وَجَاهَدُواْ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُوْلَئِکَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴿15﴾ حجرات

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُواْ بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُواْ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿10﴾ حجرات

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿1﴾ توبه

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿14﴾ توبه

وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴿120﴾ بقره

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْئَاخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِندَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿19﴾ توبه

الَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ وَأُوْلَئِکَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿20﴾ توبه

وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُوْلَئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿74﴾ انفال

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴿60﴾ انفال

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ﴿65﴾انفال

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهَوْاْ فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿193﴾ بقره

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهَوْاْ فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿39﴾انفال

ان آیات کے مطالعے کے بعد میں نے پوچھا: کیا قرآن تمام تاریخ کے لیے زندگی کا سبق ہے یا صرف نبی کے زمانے کے لیے؟ استاد تاریخ نے کہا: یقیناً تمام تاریخ کے لیے زندگی کا سبق ہے۔ میں نے کہا: آپ کے سوال کی بنیاد پر عملی تجربات میں غدیر کے پیروکاروں کے عمل کا موازنہ ان مسلمانوں سے کروں گا جو غدیر کے پیروکار نہیں تھے۔

اس کا موازنہ کرتے ہوئے جو آپ نے اسلام کے مبانی کے بارے میں کہا اور جو ہم نے ان آیات میں دیکھا، یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ جو مسلمان غدیر کے پیروکار نہیں ہیں وہ ان اہم آیات پر عمل کرنے میں کوئی توجہ نہیں دیتے جو آپ نے دیکھیں، اور وہ سورہ نساء کی آیت 150 میں شامل ہو جاتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلاً.

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں، اور کہتے ہیں: ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اور اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن ایسے لوگوں کو اللہ اور رسول کا کافر قرار دیتا ہے کیونکہ وہ بعض آیات پر عمل کرتے ہوئے اور بعض دوسری آیات کو نظر انداز کرتے ہوئے، ایک ایسا اسلام پیش کرتے ہیں جو قرآن کی نظر میں ایک قسم کا کفر تصور ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک نمونے کے طور پر ایران کے اسلامی انقلاب میں جو غدیر کے پیروکاروں نے (جس نے شاہی رژیم کا تختہ الٹنے کی وہ عظیم حرکت انجام دی جسے امریکہ پوری طرح سپورٹ کرتا تھا) مندرجہ ذیل باتوں پر توجہ فرمائیے:

1 = فتح کے آغاز ہی سے، اسلامی جمہوریہ ایران نے اپنی خاص توجہ مظلوم فلسطینی عوام کی طرف مبذول کرائی جو صیہونی غاصب رژیم کے ظلموں کے تحت تھے جس نے ان کا وطن قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ انقلاب کے بعد پہلے غیر ملکی مہمان جناب یاسر عرفات تھے اور پہلے ہی دنوں میں ایران میں اسرائیلی سفارت خانہ بند کر دیا گیا اور فلسطینی سفارت خانہ قائم کیا گیا جب کہ وہ ممالک جو غدیر کے پیروکار نہیں تھے، غزہ میں عورتوں اور بچوں کے قتل عام کے بعد بھی صیہونی رژیم کے ساتھ معمول کے تعلقات قائم کر رہے ہیں۔ اور اسی دوران ایران غزہ اور فلسطین کے عوام کی ہر طرح سے مدد اور حمایت کر رہا ہے۔

2- غدیر کے مکتب کے پیروکاروں میں سے حزب اللہ لبنان ہے جس نے اپنے قیام کے آغاز ہی سے فلسطینی عوام کی حمایت کو اپنا بنیادی پروگرام قرار دیا اور اب بھی فلسطین کے لیے جدوجہد کر رہا ہے اور اس راستے میں اپنی بہترین قوتیں فلسطینی عوام کو نذر کر چکا ہے۔

3- جب تکفیری داعش نے شام اور عراق پر ظلم و ستم اور بے گناہ لوگوں کو قتل عام کا نشانہ بنا رکھا تھا اور سب مسلمانوں، مسیحیوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو ظالمانہ طور پر شہید کر رہی تھا، ایران نے ان دو ممالک کی حمایت کی جن میں سے ایک مکمل طور پر سنی تھا اور دوسرا شیعہ اور سنی کا مرکب تھا، یہاں تک کہ داعش کی جڑیں ان دو ممالک سے اکھاڑ پھینکیں۔

4- جب افغانستان میں مختلف حکومتیں سابق سوویت یونین اور امریکہ کے قبضہ کار قوتوں کے دباؤ میں مختلف ادوار میں تھیں، تو یہ اسلامی جمہوریہ ایران تھا جس نے افغانستان (جہاں سرکاری مذہب اہل سنت ہے) کی مدد کی اور اسے قبضہ کاروں کی ناپاکی سے پاک کیا۔

5- ایران کے خلاف صدام کی 8 سالہ جنگ کے باوجود، جب امریکہ نے عراق پر حملہ کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا، تو ایران نے عراقی حکومت کی کسی بھی مدد میں کوئی کمی نہیں کی اور مکمل تعاون کیا۔

6- جب یمن کی مغرب نواز حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا تھا اور یمنی مجاہدین یمن کو امریکی ایجنٹوں کے شر سے آزاد کرانے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے، ایران نے ان کی مدد کی اور حتیٰ کہ دفاعی ہتھیار بنانے کی تربیت بھی دی جب کہ غدیر کے مخالف مسلمان ان پر بمباری کر رہے تھے۔

7- جب قطر کو غدیر کے مخالف اسلامی ممالک نے اقتصادی محاصرے میں لے لیا، تو اسلامی جمہوریہ ایران نے قطر کی اس مشکل دور میں مدد کی اور تمام کمیوں کو پورا کیا۔

8- سورہ بقرہ کی آیت 120 کے پیش نظر جو ہم نے دیکھی (وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ) واحد مسلمان ملک جو مسیحی ممالک (امریکہ اور یورپ) اور صیہونی یہودی رژیم کی خوش آمد کے بارے میں سوچتا بھی نہیں، وہ غدیر کا پیروکار ایران ہے، جب کہ غدیر کے مخالف ممالک نہ صرف ان ممالک کی خوش آمد کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ان کے سرداروں کو رشوت بھی دیتے ہیں۔

9- سوویت یونین کے خاتمے اور اس کے مختلف ممالک میں تقسیم ہونے کے بعد، اسلامی ایران نے ان سنی مسلمانوں اور سوویت یونین کے سابقہ نئے آزاد ہونے والے ممالک کو سب سے زیادہ مدد فراہم کی ہے اور ہر لحاظ سے ان کی مختلف ضروریات پوری کی ہیں اور ایران میں حکومت بنانے کے تجربے کو مدنظر رکھتے ہوئے، ان کی حکومتی ڈھانچے کی تشکیل کے لیے غیر معمولی مدد اور مشاورت فراہم کی۔

10- سورہ حجرات کی آیت 10 (إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُواْ بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ...) اور آیت 11 (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ...) کے مطابق، غیر غدیری اسلامی ممالک میں ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ممالک کے مسلمان کارکنوں کے ساتھ انتہائی قابلِ افسوس طریقے سے پیش آیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ان مسلمانوں کو اپنا غلام سمجھتے ہیں جب کہ اسلامی جمہوریہ ایران میں جہاں 40 لاکھ سے زیادہ مہاجرین ہیں، ایرانی ان سب کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور بہت مناسب رویہ رکھتے ہیں بغیر کسی تحقیر اور تمسخر کے، جس میں افغانستان، عراق اور شام کے مہاجرین شامل ہیں۔

11- اسلامی جمہوریہ ایران کے لوگ جہاد کی آیات پر اکثریت میں توجہ رکھتے ہیں اور وہ خود کو خیراتی کاموں اور پانی و خوراک کی تقسیم جیسے آسان امور پر خوش نہیں رکھتے بلکہ سورہ توبہ کی آیات 19 اور 20 کے مطابق ان خیراتی کاموں کے علاوہ ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اور لبنان، فلسطین، شام، عراق اور یمن میں اسکا بہترین امتحان بھی دیا ہے۔

12- غدیر کے پیروکاروں کا آخری اور سب سے اہم اقدام جبہہ مقاومت (مزاحمتی محاذ) کی تشکیل ہے جسے اسلامی جمہوریہ ایران نے عالمی استعمار (جس میں امریکہ، یورپ، صیہونی رژیم اور ان کے ایجنٹ ممالک شامل ہیں) کے خلاف ایک انقلابی اتحاد کے مرکز کے طور پر، حزب اللہ لبنان، حشد الشعبی عراق، انصار اللہ یمن، حماس اور فلسطین میں اسلامی جہاد وغیرہ کے براہ راست تعاون سے قائم کیا ہے۔

تاریخ کے اس پروفیسر نے یہ تجربات پیش کرنے کے بعد (جن کے بارے میں وہ خود کم و بیش جانتے تھے) کہا: میں تاریخ کے ایک فارغ التحصیل کے طور پر اہل سنت کی کتب میں موجود اتنے سارے نظریاتی دلائل اور حالیہ دور میں موجود تجرباتی دلائل کے باوجود، تاریخ کے غلط پہلو پر کھڑا نہیں رہنا چاہتا۔ لہٰذا میں خود کو غدیر کا پیروکار قرار دیتا ہوں، اور آپ کی کتاب اور آپ کے شیخ (جس کا عربی نسخہ آپ نے مجھے دیا تھا) کے مواد اور غیر غدیری مکاتب کی تعلیمات کی کمزوری (جس نے اُس کتاب میں ایک ایسے شیخ کو بھی قائل کر دیا تھا جو الازہر کے عالم تھے) سے استفادہ کرتے ہوئے، میں اور میری بیوی (جو یونیورسٹی کی پروفیسر ہیں) اس غدیری حقیقت کو پہنچ چکے ہیں اور ہم غدیریوں کے کیمپ میں قیام کریں گے۔

رہبرِ شہید کے واحد سفرِ حج کی یادگار تصویر — 1979ء

الله أكبر

١٤٤٧